WWW.PAKSOCIETY.COM
بچوں کی دنیا
خوفناک نمبر
جولائی
2015
WWW.PAKSOCIETY.COM
قیمت
35 روپے
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

تری حمد انسان کیسے کرے
سمندر کو کوزے میں کیسے بھرے

تصور سے بالا تری ذات ہے
وری سوچ سے تیری ہر بات ہے

زمانے کی کرتا ہے تُو پرورش
کرم سب پہ کرنا ہے تیری روش

درختوں کو پھل پھول تو نے دیئے
پہاڑوں کے سر تُو نے اونچے کیے

یہ شام و سحر دھوپ بادل ہوا
ہر اک شے کو تخلیق تُو نے کیا

تری نعمتوں کا نہیں کچھ شمار
عطا کے بہانے ہیں تیرے ہزار

ہے لازم ترا شکر کرتے رہیں
عنایت کا دم تیری بھرتے رہیں

تیرا پَر تو جہاں جہاں دیکھا
نُور نکہت کا اِک سماں دیکھا

چشم عالم نے تیری صورت میں
جلوۂ حق کو ضوفشاں دیکھا

تیرے کُوچے میں کہکشاں دیکھی
تیری چوکھٹ پہ آسماں دیکھا

مل گیا جس کو تیرا نقشِ قدم
اُس کو سالارِ کارواں دیکھا

تیری نظرِ کرم پڑی جس پر
اس کو محبوبِ انس و جاں دیکھا

ہو لیے ہم بھی ساتھ ساتھ اس کے
تیری جانب جسے رواں دیکھا

بارگاہِ نبیؐ اقدس میں نیّر
دیکھا جس کو بھی شادماں دیکھا

سنیئے

پیارے ساتھیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہر ذی شعور اس دنیا میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ آپ بھی اپنی پڑھائی میں، کھیل میں، کسی مقابلہ میں یقیناً کامیابی حاصل کرنے کے لیے بڑی تگ و دو کرتے ہیں اور پھر آخرکار اپنی خوشی اور اطمینان کے لیے ہم اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ہماری اس کامیابی میں گھر والوں کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ وہ بھی اس خوشی میں شامل ہوتے ہیں تو پھر آپ اس وقت خوش ہو جائیں کیوں کہ بچوں کی دنیا کا شاندار "خوفناک نمبر" آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اب آپ اسے اکیلے اکیلے نہ پڑھیے گا بلکہ اپنے سب گھر والوں، دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی پڑھایئے گا تاکہ اچھی باتیں سیکھ کر اپنی زندگی کو سنواریں اور دوسروں کو کامیاب بن کر دکھائیں۔ آخرت کی کامیابی کے لیے کوشش کریں۔

"کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں دوزخ کی آگ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔"

(سورۃ آل عمران: ۱۸۵)

پیارے بچو! بہت سے ملک ایسے ہیں جو رمضان المبارک میں خصوصی چیزوں کی قیمت کم سے کم کر دیتے ہیں مگر ہمارے ملک میں جیسے ہی رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہوتا ہے، مہنگائی کا طوفان زور پکڑ لیتا ہے۔ ایسا آخر کیوں ہوتا ہے یہ تو رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں دوسروں کی ذات کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا چاہیے۔ ان کی دعائیں حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی حاصل ہو سکے۔

اچھے دوستو! ہم آپ کو عیدالفطر کی پیشگی مبارک باد دیتے ہیں۔ اپنی خوشیوں میں غریبوں کو بھی شریک کریں۔ نئے نئے کپڑے پہنیں۔ میٹھی سویاں کھائیں۔ ابو اور امی سے عیدی لیں اور مزیدار اچھی چیزیں کھائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو ایسی سینکڑوں بلکہ ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔ آمین۔ کان کھول کر سنیئے اگلے ماہ پھر آپ سے باتیں ہوں گی۔ والسلام

آپ کا بھائی جان

ننھے کے کارنامے

تحریر: نعیم میاں

اسی اثنا میں انسپکٹر نے ایک سپاہی کو تالا توڑنے کا کہا اور پھر جب مکان کا تالا ٹوٹ گیا تو انسپکٹر نے ننھے سے کہا کہ ہمیں اندر چل کر دیکھنا چاہیے شاید کوئی ایسا

سراغ مل جائے۔ جس سے ہم مجرموں تک پہنچ سکیں۔ مگر ننھا اپنے اندر بہت بے چینی محسوس کر رہا تھا اور پھر یہ لوگ مکان میں داخل ہوئے۔ بظاہر باہر سے چھوٹا نظر آنے والا گھر اندر سے حویلی نما تھا۔ جس میں بہت سے کمرے تھے۔ ننھا پولیس والوں کے ساتھ کمروں کا جائزہ لینے لگا۔ مگر تقریباً کمرے رہائشی سامان سے

مزین تھے۔ یہ دیکھ کر اُن لوگوں کو بہت مایوسی ہوئی اور وہ واپس چلنے لگے کہ انھیں ایک کونے میں ایک کمرے کا دروازہ نظر آیا۔ یہ لوگ تیزی سے اُس طرف بڑھے مگر ننھے نے انھیں احتیاط سے کام لینے کا کہا۔ انھوں نے دروازہ کھولا تو کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ ننھے نے اپنے موبائل فون سے لائٹ آن کی اور یہ لوگ

کمرے میں داخل ہوئے ابھی یہ کمرے کا صحیح طرح جائزہ بھی نہیں لے پائے تھے۔ کہ انھیں دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ یہ تیزی سے پلٹے مگر دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اِس کا مطلب ہے کہ باہر سے تالا لگا ہونے کے باوجود اِس گھر میں کوئی موجود تھا۔ ننھے نے کہا۔ مگر ہم نے تو سب کمروں کا جائزہ لیا تھا۔ ہمیں کہیں بھی کسی

انسان کی موجودگی کا احساس نہیں ہُوا، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم مین گیٹ کھلا چھوڑ آئے تھے۔ ہمارے اندر داخل ہونے کے بعد کوئی گھر میں گھسا ہو اور ہمیں دیکھ کر چھپ گیا۔ لیکن جو کوئی بھی ہے۔ ہمیں کسی اور کمرے میں بھی بند کر سکتا تھا مگر اُس نے ہمیں یہاں ہی کیوں قید کیا، انسپکٹر بولا شاید یہ کمرہ باقی کمروں سے

ہٹ کر ہے اور اِس میں موجود سامان سے بھی ظاہر ہے کہ یہ سٹور روم ہے۔ ننھے نے کہا۔ مگر ہم یہاں سے کیسے نکل سکیں گے۔ ایک سپاہی بولا۔ ہمارے پاس موبائل فون ہے ہم تھانے میں فون کر کے اپنی مدد کے لئے بلوا سکتے ہیں۔ مگر ہمیں ابھی کچھ دیر یہاں رکنا چاہیے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ ہمارے ساتھ آگے کیا ہوتا ہے

اور ہمیں اِس کیس کو حل کرنے کے لیے کوئی سراغ مل جائے۔ ننھے کی اس بات پر سب نے اتفاق کیا اور پھر انسپکٹر نے تھانے میں فون کر کے اپنے اسسٹنٹ کو ساری بات سمجھائی اور اُسے تھانے کے معاملات سنبھالنے کا کہا اور یہ بھی کہا کہ اگر وقت پڑنے پر مدد کی ضرورت محسوس ہوئی تو اِس ایڈریس پر پہنچنے کی بھی ہدایت کی۔ ننھے کا دماغ تیزی سے اس بات کو سوچ رہا تھا کہ یہ کسی چھوٹے موٹے گروہ کا کام نہیں جو بچوں کو اغواء کر کے اُن کی اسمگلنگ کرتے ہیں۔ بہرحال انھوں نے موبائل کی روشنی سے کمرے کا سوئچ بورڈ تلاش کیا اور کچھ دیر میں کمرہ روشنی سے منور ہو گیا۔

کمرے میں ایک چارپائی بھی پڑی تھی۔

(پھر کیا ہوا اگلے شمارے میں پڑھیں)

تابوت

منصور ایاز

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب محکمہ آثار قدیمہ مصر کے قدیم کھنڈرات کی کھدائی کر رہا تھا اور اس کھدائی کے وجہ سے زمین کے اندر دفن ہو چکے بہت سے تاریخی اسرار سے زمانہ جدید روشناس ہو رہا تھا۔ ہم تاریخ کے طالب علم اپنے بوڑھے پروفیسر امجد مجید سے مصر کی قدیم تاریخ پر لیکچر سن رہے تھے۔ امجد مجید صاحب کو تاریخ کے مضمون کا

ماہر تصور کیا جاتا تھا۔ ستر سال کی عمر میں بھی وہ صحت کے اعتبار سے قابلِ رشک تھے اور پرانی زبانوں کے پڑھنے کے ماہر تسلیم کیے جاتے تھے۔

اچانک ایک نو وارد کلاس کے کمرے میں داخل ہوا جسے دیکھتے ہی اکثر طالب علموں کے دل حلق میں آ گئے۔ یہ ایک مضبوط جسم کا انتہائی بدشکل انسان تھا جس کے

چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یا تو اُس کے چہرے کو کسی درندے نے نوچ رکھا ہے یا پھر آگ سے جھلسنے کی وجہ سے چہرے کا گوشت موم کی طرح سے پگھل کر پھیل گیا ہے۔ اس آدمی نے پروفیسر امجد مجید کے کان میں کچھ کہا اور پھر کوئی جواب سنے بغیر طالب علموں کو گھورتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

پروفیسر امجد مجید نے طالب علموں کے چہروں پر خوف کے اثرات دیکھتے ہوئے کہا:

"یہ تبت کا رہنے والا ہے جسے دیکھ کر تم لوگ خوف زدہ ہو گئے ہو۔ بے ضرر اور وفادار میرا ملازم لاڈوس ہے۔ ایک حادثے میں اِس پر چیگارڈروں نے حملہ کر کے اس کے حلیے کو بگاڑ دیا تھا۔ یہ آپ لوگوں کیلئے ایک خوشخبری لے کر آیا ہے۔ دیوی آٹیس کے مندر کی کھدائی میں سونے کا ایک تابوت ملا ہے جس پر ایک بڑا سا زنگ آلودہ تالا لگا ہوا ہے لیکن اس کے ڈھکن کے اُوپر کسی قدیم زبان میں کچھ تحریر ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ کے منتظم اعلیٰ طور بیگ میرے دوست ہیں۔ اس لئے اُنہوں نے اس تابوت کو کھولنے سے پہلے مجھے اس پر موجود تحریر پڑھنے کیلئے بلوایا ہے۔ آپ لوگوں کیلئے یہ سنہری موقع ہے۔ میرے ساتھ چل کر آپ تاریخ کے اس گمشدہ باب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں"......

سونے کے اِس تابوت پر چھوٹے چھوٹے ہیروں، زمرد اور لعل سے کوئی بہت ہی قدیم زبان کی تحریر موجود تھی۔ ہم سب طالب علموں کی موجودگی میں پروفیسر امجد مجید اس تحریر کو پڑھنے کی کوشش میں مصروف تھے جبکہ ہم لوگ بڑے اشتیاق سے کسی اسرار کے کھلنے کے منتظر تھے۔ پروفیسر امجد مجید کے پاس ہی منتظم اعلیٰ طور بیگ بھی موجود تھے۔ آخر کافی دیر کے بعد پروفیسر نے ان تمام الفاظ کو جوڑ کر ایک تحریر بنالی اور پھر خوشی سے کھلتے ہوئے چہرے کے ساتھ طور بیگ سے کہا:

"آج سے دو ہزار سال یا اس سے بھی پرانی زبان کی یہ تحریر ہے۔ لکھا ہے کہ اس تابوت میں دیوی آٹیس کا بے جان جسم موجود ہے جو صدیوں سے اپنی رُوح کا انتظار کر رہا ہے"

"بس اِس کے علاوہ اور کچھ نہیں"

طور بیگ نے سوال کیا تو پروفیسر امجد مجید نے جواب دیا:

"اِس تابوت کو کھولا جائے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کے اندر کوئی اور ایسی تحریر موجود ہو جس سے اس پر کچھ روشنی پڑ سکے"

لہٰذا تالا توڑ کر اس تابوت کو کھولا گیا اور پھر ایک تیز پھنکار کی آواز سن کر یہاں موجود سب لوگ تابوت سے کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ سنہرے رنگ کا ایک بھیانک سانپ اپنا پھن اُٹھائے دیوی آٹیس کے سینے پر موجود تھا۔ تھوڑی دیر کیلئے اِس کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ لیکن پھر سب نے دیکھا کہ پروفیسر کا وہی بدشکل ملازم آگے بڑھا اور اُس

نے سنہری ناگ کو پھن سے پکڑ لیا اور اپنے پیلے پیلے دانت نکال کر کہا:

"نقلی ہے"

"حیرت انگیز۔ باکمال"

پروفیسر امجد مجید یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا اور پھر پروفیسر امجد مجید نے سب کو بتایا کہ یہ ناگ اصلی نہیں بلکہ اِس دور کی ٹیکنالوجی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ سونے کا بنا ہوا سانپ تھا جس کے اندر کوئی سپرنگ موجود تھا اور جسے تابوت کے ڈھکن سے اِس طرح دبا دیا گیا تھا کہ ڈھکنا ...ہی سپرنگ زور سے اِس سانپ کو اُوپر اُٹھا دے۔ سانپ کی آنکھوں میں دو دو لعل اِس طرح لگائے گئے تھے کہ اصلی آنکھوں کا دھوکہ ہوتا تھا۔

پھنکار کیلئے سانپ کے بند جسم میں غبارے کی مانند ہوا بھری گئی تھی جو جسم کے کسی سوراخ سے ڈھکنا اُٹھاتے ہی پھنکار کی آواز کے ساتھ ہی بالکل اِس طرح خارج ہوتی تھی جیسے بچوں کے بجانے کی کوئی سیٹی جس کے سوراخ سے سانس سے بھری ہوا جب خارج ہوتی ہے تو سیٹی کی آواز پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا سانپ کے نقلی ہونے پر سب لوگ دوبارہ قریب آگئے۔

اِس تابوت میں انتہائی قیمتی لباس میں موجود ایک خوبصورت جسم پڑا ہوا تھا جیسے کوئی میٹھی نیند سو رہا ہو۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد انسانی کھال پر موجود ایک تحریر تلاش کر لی گئی جو ایک لیٹی ہوئی عورت کے سرہانے کی طرف موجود تھی۔ اب پروفیسر امجد مجید نے دوبارہ اِس تحریر کو پڑھنے کیلئے کاغذ اور پنسل لے کر اُسے میز پر پھیلا دیا۔

طالب علموں میں احمد۔ رشید اور مختار سب سے زیادہ لائق اور ایسے اسرار کو حل کرنے کے شوقین تھے۔ آخر کئی گھنٹوں کی کوشش کے بعد پروفیسر امجد مجید نے مایوسی سے طور بیگ کی طرف دیکھ کر کہا:

"لکھا ہے:

"ہم پراسرار طاقتوں کے تمام دیوتا دیوی آئینس کے اِس رنگین عشق و محبت کے جرم میں جو اُس نے اِیک نوجوان بت تراش نوجوان آذر سے کیا تھا اُسے موت کی سزا دیتے ہیں۔ ہم نے اِس کی روح کو اپنی پراسرار طاقتوں کے زیرِ اثر قدیم تبت کے دلائی لامہ (بدھ مذہب کا پنڈت) طوماس کے مندر میں موجود اِس کنوئیں میں قید کر دیا ہے جہاں طوماس نے کود کر خودکشی کی تھی"....

بالآخر اِس تابوت کو دوبارہ مقفل کر کے محکمہ آثار قدیمہ والوں کے حوالے کر کے پروفیسر امجد مجید ...اس

کے بعد سب شاگرد گھروں کو لوٹ آئے لیکن احمد کے دل ودماغ پر یہ حسین چہرہ نقش ہو کر رہ گیا جیسے واقعی آئیش اُس کی محبوبہ ہو۔

یہ ایک تاریک رات تھی ۔اُس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔سب گھر والے اُس کی خالہ کے ہاں شادی پر گئے ہوئے تھے۔یہ خالہ حال ہی میں امریکہ سے آئی تھی اور احمد نے اپنی خالہ زادہ نسرین کو پہلی بار دلہن کے روپ میں دیکھا تھا۔اس لئے اُسے دیکھتے ہی حیرت سے اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔یہ دلہن نسرین کی بجائے تابوت والی دیوی آئیش تھی۔وہی نقش ونگار ،وہی چاند سا چہرہ،کشمیری سیب کی طرح سے سرخ گال، وحشی ہرنی جیسی چمکدار آنکھیں اور وہی سروقد۔بقایا گھر والے بارات رخصت ہونے کے بعد خالہ ہی کے گھر ٹھہر گئے لیکن وہ حیرت کے سمندر میں گم سم گھر واپس لوٹ آیا تھا۔وہ تنہائی میں رہ کر دیوی آئیش اور نسرین کے متعلق سوچنا چاہتا تھا۔بھلا ایک شکل وصورت کی دو عورتیں کیسے ممکن تھا۔وہ آذر اور دیوی آئیش کے عشق کے داستان کے متعلق سوچنا چاہتا تھا جو اُس کے ذہن پر سوار ہو گئی تھی۔

جونہی وہ گھر آنے کے بعد اپنے کمرے میں داخل ہوا،اُس نے ایک چیخ کی آواز سنی جیسے کوئی جلاد کسی [illegible] کو ذبح کر رہا ہو۔اُس نے بتی جلانی چاہی لیکن لائٹ جا چکی تھی۔اُس نے اندھیرے میں جو منظر دیکھا،اُس کی رُوح کانپ گئی۔سامنے والی دیوار پر فلم کی پردے کی طرح ایک بھیانک سین چل رہا تھا۔عہد قدیم کا کوئی دربار تھا جس میں زیورات سے لدے ہوئے قوی ہیکل مرد اور عورتیں موجود تھیں جن کے سامنے ایک خوبصورت نوجوان اور ایک دوشیزہ کو کچھ ہیبت ناک سیاہ فام حبشی غلاموں نے باندھ کر پیش کیا۔اِس نوجوان کو دیکھ کر احمد ورطہ حیرت میں رہ گیا کیونکہ اُس کی شکل بالکل احمد سے ملتی تھی جیسے کوئی اُس کا جڑواں بھائی ہو۔پھر جب اُس کی نگاہ سے دوشیزہ کا جائزہ لیا تو اُسے اور بھی حیرت ہوئی۔

"ارے!یہ تو نسرین تھی ،اُس کی امریکہ والی خالہ کی لڑکی جس کی شادی سے وہ لوٹ کر آیا تھا"

وہ انہی خیالوں میں گم تھا کہ اُسے سناٹے میں ایک بھاری اور بارعب آواز سنائی دی۔سامنے سونے کا تاج پہنے جو بادشاہ بیٹھا تھا،اُس نے دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"آئیش!تُو نے اِس بت تراش آذر سے محبت کر کے تمام دیوتاؤں کو ناراض کر لیا ہے۔اِس جرم میں ہم

سب تمہیں موت کی سزا دیتے ہیں لیکن صرف یہ سزا کافی نہیں ہے۔تم سات بار جنم لوگی۔ہر بار یہ شخص آذر تمہاری محبت کا مرکز بنے گا لیکن ہر بار تمہیں خودکشی کرنا ہوگی"

جب جلادوں نے دونوں کی گردنوں پر تلواریں چلائیں تو احمد کی چیخ نکل گئی۔اُسی وقت احمد کی ماں اور باپ بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔بتی روشن کی اور ہانپتے ہوئے احمد سے سوال کیا:

"کیا ڈر گئے تھے بیٹا۔اِسی لئے کہا ہے کہ بتی بجھا کر نہ سویا کرو"

پھر اُس کی والدہ نے سوال کیا:

"احمد! کیا کبھی تمہارے اور نسرین کے درمیان خط وکتابت رہی ہے؟"

احمد نے بوکھلائے ہوئے انداز میں جواب دیا:

"امی! میں نے تو اُسے پہلی بار شادی پر ہی دیکھا ہے"

"حیرت ہے"

احمد کے باپ نے کہا۔

"انتہائی دُکھ کی بات یہ ہے کہ نسرین نے اپنے دولہا کے حجلہ عروسی میں آنے سے پہلے ہی خودکشی کر لی۔ جانتے ہو کہ اُس کے پاس سے کیا چیز برآمد ہوئی؟"

باپ نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:

"وہ تمہاری تصویر تھی۔مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ اُس کا سر غائب تھا"

احمد کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اُس کے سر پر ہتھوڑے سے شدید ضرب لگائی ہو۔

آخر کار خاندان میں کچھ بدنامی، رسوائی اور پولیس کی قانونی کارروائی کے بعد نسرین کی لاش کو دفنا دیا گیا۔ لیکن اب احمد پختہ عزم کر چکا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ اِس اسرار کو حل کرنے کیلئے اپنی جان داؤ پر لگا کر طوماس کے مندر میں موجود کنوئیں سے دیوی آتش کی روح نکال کر لائے گا۔

سورج نکل چکا تھا۔اِس واقعہ کے بعد احمد سخت بخار میں مبتلا رہا تھا۔طوماس کے مندر کو تلاش کرنے کی بجائے اُس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ چارپائی سے نیچے قدم اُتار سکے۔آخر کار اُس کی عیادت کو جب پروفیسر امجد مجید آئے تو اُنہوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اِس بخار کی وجہ کوئی بیماری نہیں ہے بلکہ کوئی دماغی عارضہ ہے کیونکہ احمد کے والد نے اُنہیں بتایا کہ یہ اکثر بے ہوشی کی حالت میں کسی آتش کا نام لے لے کر کہتا ہے:

"میں جلد ہی تیرے پاس آؤں گا۔تجھے زیادہ

انتظار نہیں کرنا پڑے گا"......

پروفیسر امجد مجید یہ سن کر گہری سوچ میں گم ہو گئے تھے۔ پھر جب پروفیسر دوسرے دن آئے تو اُن کے پاس ایک کتاب تھی "دیوی اور دیوتا" پروفیسر امجد مجید نے محبت اور شفقت سے احمد کو پیار کرتے ہوئے کہا:

"میرے بچے! مجھے کیا علم تھا کہ تم گمشدہ تاریخ کے کردار ہو۔ اپنی شناخت کیلئے اس کتاب کو پڑھ لینا۔ تمہاری حیرت اور جستجو ختم ہو جائے گی۔ جب تم اپنے آپ کو پہچان لو گے تو یہ ذہنی اور روحانی دباؤ ختم ہو جائے گا"

پروفیسر امجد مجید کے جانے کے بعد احمد کو نیند سی آ گئی۔ اُس نے کسی پائل کے بجنے کی آواز سن کر دیکھا۔ دروازے سے نسرین عروسی لباس میں داخل ہو رہی تھی لیکن اُس کے دھڑ پر سے اُس کا سر غائب تھا۔ نسرین نے پاس بیٹھ کر کہا:

"آذر! مجھے اور کتنا انتظار کراؤ گے۔ ابھی تو پہلا قدم ہے۔ پہلا جنم ہے، ابھی چھ جنم اور ہمیں ایک دوسرے سے ملنا اور جدا ہونا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے یہ سزا ختم کر لو۔ پھر ہم ہمیشہ کیلئے مل جائیں گے اور ابدی زندگی ساتھ ساتھ گزاریں گے"......

اچانک احمد کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے چیخ چیخ کر کہا:

"آئیش! نسرین......نسرین"

اُسی وقت احمد کی ماں اندر داخل ہوئی اور غم زادہ آواز میں کہا:

"پہلے ہی بڑی بدنامی ہو چکی ہے میرے بچے۔ بھول جا نسرین کو۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ قدرت نے تم دونوں کو ایک دوسرے کیلئے پیدا کیا ہے"......

احمد روتے ہوئے ماں کے گلے لگ گیا۔

تقریباً ایک ہفتے کی تیاری کے بعد احمد تبت میں موجود دلائی لامہ طوماس کے قدیم اور گمشدہ مندر کی تلاش میں جانے کا عزم کر چکا تھا۔ وہ اس سلسلے میں مزید معلومات کیلئے پروفیسر امجد مجید سے ملاقات کرنے گیا تو پروفیسر نے اُسے کہا:

"بیٹے احمد! آج سے دس ہزار سال پرانے مندر کی تلاش کوئی آسان کام نہیں۔ بہتر ہے کہ تم میرے اس ملازم کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ یہ تبت کا رہنے والا ہے اور وہاں کے پُراسرار مقامات کی تلاش میں تمہاری مدد بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کچھ ایسے جادو وغیرہ بھی جانتا ہے جو یقیناً اس سفر میں تمہارے کام آئیں گے"

چونکہ مجھے کسی ایسے رہبر کی تلاش تھی جو اس سلسلے

میں رہنمائی کر سکے۔اس لئے میں نے حامی بھر لی۔میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہ بھی ضرور اسی گمشدہ تاریخ کا کوئی کردار معلوم ہوتا ہے۔

ہم دونوں ہوائی جہاز میں سوار تبت کے برف پوش پہاڑوں کے اُوپر پرواز کر رہے تھے۔لاڈوس اپنی سیٹ پر بیٹھا آنکھیں بند کئے کانپتے ہوئے جسم کے ساتھ پراسرار الفاظ سرگوشی میں ادا کرتا جا رہا تھا۔اچانک ہمارا جہاز دیکھتے ہی دیکھتے دھند کے بادل میں روپوش ہو گیا اور پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا۔چیخ و پکار کی آوازوں کے ساتھ ہی جہاز کے ٹکڑے ہو گئے۔جہاز دھند میں موجود کسی برف پوش چوٹی سے ٹکرا گیا تھا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں نے چاروں طرف پڑی برف کے اُوپر ہوائی جہاز کے ملبے کو دیکھا۔جہاز کی تمام سواریاں جہاز میں آگ لگ جانے کی وجہ سے جل چکی تھیں۔میرے قریب ہی لاڈوس سجدے میں گرا ہوا تھا اور دیوی دیوتاؤں کو پکار رہا تھا۔مجھے کافی چوٹیں آئی تھیں لیکن جہاز کا انجام دیکھ کر دل بھر آیا اور فوراً اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

ایک زوردار قہقہہ میرے کانوں میں دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح اُتر گیا۔میں نے نفرت اور غصے سے دیکھا۔لاڈوس پاگلوں کی طرح قہقہے لگا رہا تھا۔میں نے اُسے ڈانٹ کر کہا:

"شرم نہیں آتی جہاز میں موجود اَسّی مسافروں کی راکھ پر قہقہے لگا رہا ہے؟"

لاڈوس نے مودب انداز میں جواب دیا:

"میں اپنی جیت پر قہقہے لگا رہا ہوں مالک،آخر میں نے موت کے دیوتا سے آپ کو چھین ہی لیا ورنہ اَسّی مسافروں کے ساتھ آپ بھی جل چکے ہوتے"

میں نے حیرت سے لاڈوس کی طرف دیکھا۔پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ پروفیسر نے کہا تھا کہ یہ جادو بھی جانتا ہے۔

"مالک!اُٹھ جاؤ یہاں برف کا طوفان آنے والا ہے"

میں نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اب مجھے محسوس ہوا پاؤں میں چوٹ آ جانے کے سبب میں اپنے قدموں سے چل بھی نہیں سکتا۔اچانک فضا میں ہوا کے سنسنانے کی آواز سنائی دی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے برف روئی کے گالوں کی طرح اُڑنے لگی۔اس کے ساتھ ہی آسمان سے بھی برف باری شروع ہو گئی۔پھر اس سے پہلے کہ ہم دونوں برف کے طوفان کی نذر ہو جائیں،لاڈوس نے مجھے اپنے کندھے پر اُٹھا لیا اور ایک سمت بھاگ لیا۔

مجھے حیرت تھی کہ لاڈوس برف پر کسی گھوڑے سے بھی تیز بھاگ رہا تھا۔ ذرا غور کیا تو مجھے جھرجھری آ گئی۔ دراصل اُس کے پاؤں زمین کی بجائے ہوا میں پڑ رہے تھے۔ وہ بھاگنے کی بجائے اُڑ رہا تھا۔ اب طوفان اپنے پورے شباب پر آ گیا تھا۔ چاروں طرف برف ریت کے ذرّوں کی طرح اُڑ رہی تھی۔ تاحدِ نگاہ پناہ کی کوئی جگہ موجود نہ تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ ہم برف کے اِس طوفان میں دفن ہو جائیں گے۔

اچانک ایک جگہ لاڈوس نے مجھے کندھے سے اُتار کر اطراف کا جائزہ لیا اور پھر مجھے کہا:

"آقا! میں دیوتاؤں سے مات کھانے والا نہیں۔ آپ یہاں ٹھہریں"

اُس نے جادو کے چند الفاظ ادا کرتے ہوئے اشارہ کیا۔ میرے چاروں طرف پتھروں کی ایک مضبوط چاردیواری قائم ہو گئی۔ میں نے دیکھا کہ آہستہ آہستہ لاڈوس انسان کی بجائے ایک اژدھے کی شکل میں تبدیل ہونا شروع ہو گیا۔ اژدھے میں تبدیل ہونے کے بعد اُس نے برف میں اپنا منہ ڈالا اور پھر وہ برف کی زمین کے اندر دھنستا ہی چلا گیا۔ باہر طوفان کی شدت، اُس کی [illegible] کو میں چار دیواری کے اندر محسوس کر رہا تھا۔ اس چاردیواری کی کوئی چھت نہ تھی لیکن اِس کے باوجود ایسا لگتا تھا کہ جیسے کسی شیشے کی چھت پر باہر کی برف آ کر جمنا شروع کر رہی ہو۔

پھر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ میری جان ہی نکل گئی۔ ہوا یوں کہ میرے قدم برف کی زمین میں دھنستے چلے گئے اور پھر میں مکمل طور پر اِس زمین کے اندر دھنس گیا۔ کافی دُور میں اِسی طرح دھنستا چلا گیا۔ پھر کہیں جا کر سخت زمین پر میرے قدم ٹھہر گئے۔ میں نے دیکھا کہ یہ کوئی سرنگ تھی جس کے اندر لاڈوس جلتی ہوئی شمع لئے کھڑا تھا۔ اُس کا سر منڈا ہوا تھا اور درمیان میں ایک لمبی چوٹی تھی اور وہ کسی تبتی دلائی لاما (پنڈت) کے لباس [illegible] روپ میں کھڑا تھا۔ مجھے اُس کی آواز کسی [illegible] برے کنوئیں میں سے آتی ہوئی سنائی دی جو کہہ رہا تھا:

"احمر! میرے پیچھے پیچھے آؤ"

میں اُس کے پیچھے چل دیا۔ تھوڑی دُور جانے کے بعد یہ سرنگ ایک کشادہ غار میں جا کر ختم ہو گئی۔ یہاں ایک دفعہ پھر میری حیرت اور خوف میں اضافہ ہو گیا۔ غار میں چاروں طرف بے شمار سیاہ چمگادڑوں کے مردہ جسم بکھرے پڑے تھے۔

"ان سے خوف نہ کھاؤ۔ یہ مردہ چمگادڑ [illegible]

اِن ... جنگ کرتے ہوئے میرے چہرے کی یہ حالت ہوئی تھی لیکن یہ کئی ہزار سال پرانی بات ہے"......

"کئی ہزار سال......؟"

احمد نے حیرت سے سوال کیا تو لاڈوس نے جواب دیا:

"گھبراؤ نہیں تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا صبر سے کام لو"

ابھی یہ الفاظ اُس نے ادا کئے ہی تھے کہ اچانک اُن تمام مردہ چمگادڑوں میں جان پیدا ہوگئی اور وہ غار میں ... تے ہوئے لاڈوس پر حملہ آور ہونے لگیں۔ لاڈوس نے تلوار نکال کر اُن کا مقابلہ شروع کر دیا۔ غار میں جگہ جگہ بل اور سوراخ موجود تھے۔

ابھی یہ جنگ جاری ہی تھی کہ اِن سوراخوں اور بلوں سے آدم خور چوہوں نے نکل کر ہم پر حملہ کر دیا۔ لاڈوس نے بڑی پھرتی سے کچھ پڑھ کر مجھ پر پھونکا۔ میں مکھی میں تبدیل ہوگیا۔ اُس نے جلدی سے مکھی کو اپنی چوٹی کے بالوں میں چھوڑ دیا اور خود چمگادڑوں کے ساتھ ساتھ اِن چوہوں کا بھی مقابلہ کرنے لگا جو لاڈوس کے پاؤں اور ٹخنوں کو زخمی کر رہے تھے لیکن لاڈوس نے اپنی بے بسی پر جلد ہی قابو پالیا۔ اُس کے قدم اِن چوہوں کی زد سے اُوپر اُٹھ کر ہوا میں معلق ہو گئے لیکن اس دوران میں کئی چمگادڑوں نے اُس کے چہرے کو لہولہان کر دیا۔ پرانے زخم پھر ہرے ہو گئے تھے۔ آخر تنگ آ کر غار میں لاڈوس کی آواز گونجی:

"کلوا بیران چوہوں کو سنبھال"

احمد نے مکھی بنے ہوئے دیکھا کہ ایک طرف سے کلوا بیران سیاہ بلے کے روپ میں داخل ہوا اور یہاں پھدکتے ہوئے چوہوں کو کھانے میں مصروف ہو گیا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر بقایا چوہے اپنے بلوں میں بھاگ لئے لیکن پھر اچانک ہی ایک سمت سے ایک چمگادڑ نے آ کر مجھ پر حملہ کر دیا اور مجھے منہ میں دبا کر غار میں چکر کھانے لگی۔ مکھی کی صورت میں، میں نے چیخ چیخ کر ... صورتحال سے لاڈوس کو آگاہ کرنا چاہا مگر میری آواز اُس کے کانوں تک نہ پہنچ سکی اور پھر یہ چمگادڑ مجھے منہ میں لے کر اُس غار کی ایک دیوار سے پراسرار طریقے سے اِس طرح پار ہوگئی جیسے کوئی سایہ ہو یا کوئی ہوا کا جھونکا۔ باہر برف کا طوفان اب شدت میں تھا لیکن اِس چمگادڑ نے باہر موجود برف کے ایک شفاف گولے میں پناہ لے لی تھی اور اب یہ برف کا گولہ اِس برفانی طوفان میں آسانی سے اُڑتا ہوا تیزی سے ایک سمت پرواز کر گیا۔

غار میں خون ہی خون بکھرا ہوا تھا جس میں مردہ چمگادڑوں کے جسم تیر رہے تھے۔ ایک پتھر پر بیٹھا لہولہان چہرے کے ساتھ لاڈوس خون میں رنگی تلوار لئے ہانپ رہا تھا۔ اچانک اُسے خیال آیا تو اُس نے اپنی چوٹی سے مکھی نکالنے کیلئے ہاتھ بڑھائے تو مکھی غائب تھی۔ وہ اِس طرح پتھر سے اُٹھ کھڑا ہوا جیسے اُسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ پھر اُس نے دھاڑتے ہوئے کہا:

"لونا چماری" (یہ جادو کی اسیر کسی بدروح کا نام ہے جسے جادو کی زبان میں بیر کہا جاتا ہے۔ یہ کالے جادو کی طاقتور بدروح ہے) ایک سمت سے ایک سیاہ رنگ کی ہیبت ناک چڑیل ہاتھ باندھ کر اندر داخل ہوئی۔ لاڈوس نے تحکمانہ سوال کیا:

"مکھی کون لے اُڑا؟"

لونا چماری نے آنکھیں بند کیں اور پھر ایک منٹ کے بعد آنکھیں کھول کر جواب دیا:

"یہ مالقا (یہ بھی جادو کی ایک بدروح ہے) کا کام ہے۔"

◆......◆

برف کا گولا ایک حویلی کے صحن میں جا کر شیشہ کی طرح پڑا رہ گیا۔ اندر سے وہی چمگادڑ مکھی کو منہ میں لئے باہر آئی۔ باہر چاروں طرف کچھ مجسمے آتش دیوی کے سے جو مختلف پوزوں میں تراشے ہوئے تھے۔ ایک مجسمہ آذر کا بھی تھا جو بت تراش تھا اور جس سے آتش دیوی عشق کرتی تھی۔ اب یہ چمگادڑ ایک خوبصورت پجارن کا روپ دھار چکی تھی۔ اُس نے اِس مکھی کو آذر کے مجسمے میں ناک کے راستے داخل کر دیا جو اندر سے کھوکھلا تھا۔ پھر کچھ پڑھ کر پھونکا تو اِس مجسمے میں جان پڑ گئی اور وہ آذر یعنی احمد کے روپ میں حرکت میں آ گیا۔ مالقا نے ہاتھ اُٹھایا تو ایک ترشول اُڑتا ہوا اُس کے ہاتھ میں آ گیا۔ مالقا نے احمد یعنی آذر کو حکم دیتے ہوئے کہا:

"اب تجھے اِس ترشول سے اِس ولائی لامہ طوماس کو قتل کرنا ہے، جس کی عبادت اور ریاضت کو میں اپنے حسین اور خوبصورت جسم کے باوجود شکست نہ دے سکی"

احمد نے کسی مشینی آدمی کی طرح ترشول لیتے ہوئے سر جھکایا اور جواب دیا:

"مالقا کی جے ہو! اب میرے ترشول سے طوماس کو مہاتما بدھ بھی نہیں بچا سکتا" (طوماس مہاتما بدھ کے مذہب سے تعلق رکھتا تھا اور مندر کا بڑا پجاری تھا)

مالقا ایک طاقتور بدروح تھی جس کا مقابلہ کرنے کیلئے لاڈوس کو ایک دفعہ پھر مہاتما بدھ کے ایک ویر...

شکستہ مندر میں جا کر طاقت حاصل کرنے کیلئے چلہ کاٹنے کی ضرورت تھی۔ آج سے ہزاروں سال پرانا یہی وہ مندر تھا جو کسی پہاڑ کی غار میں پتھروں کو کاٹ کر مہاتما بدھ کے زمانے میں بنایا گیا تھا اور اسی مندر کے ایک کنوئیں میں کود کر مندر کے بڑے ولائی لاما (پجاری) طوماس نے خودکشی کی تھی۔ اُس دور میں یہ مندر لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو چکا تھا اور شکستہ ہونے کے سبب اس کے کئی ستون، محرابیں یہاں تک کہ خود مہاتما بدھ کی مورتی بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔

زخموں سے چُور، لہولہان چہرے اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے لاڈوس اس مندر کے اُجڑے ہوئے صحن میں داخل ہوا جہاں کبھی سنگِ مرمر سے تراشیدہ ایک چبوترے پر مہاتما بدھ کی مورتی موجود تھی، جہاں کے دروازے، کھڑکیاں اور یہاں موجود دیگر فرنیچر نما بیٹھنے کی کرسیاں صندل کی لکڑی کی بنی ہوئی تھیں جنھیں عرصہ ہوا دیمک چاٹ چکی تھی۔ وہ مہاتما بدھ کے مجسمے کے سامنے اُس کے قدموں میں جا گرا اور پھر اُس نے گڑگڑا کر دُعا کی:

"بھگوان! ایک دفعہ پھر مجھے میری شکتی لوٹا دے میرے قصور کی اور زیادہ سزا نہ دے۔ تیرا یہ آج کا لاڈوس اور کل کا طوماس لاما اپنی شکتی بھیک میں مانگنے آیا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ مالقا سے نپٹنے کے بعد ایک دفعہ پھر میں اپنی گردن اپنے ہاتھوں کاٹ کر تیرے اس پوتر کنوئیں میں کود جاؤں گا"

ولائی لامہ طوماس سجدے میں گرا ہوا تھا۔ اُسے کچھ خبر نہ تھی کہ اُس کا دوست، کل کا آذر اور آج کا احمد اپنے ہاتھوں میں ترشول لئے اُسے قتل کرنے کیلئے مندر میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس کے دماغ پر مالقا کا قبضہ تھا۔ آہستہ آہستہ طوماس کی موت اُس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اُس کے قریب آ کر احمد کے قدم رک گئے۔ اُس نے حقارت سے اپنا ترشول اُٹھایا اور پھر پوری طاقت کے ساتھ اُسے سجدے میں گرے ہوئے طوماس کے جسم میں اُ۔رنا چاہا لیکن ٹن کی آواز کے ساتھ ہی ترشول ٹوٹ گیا۔ احمد نے محسوس کیا کہ جیسے اُس کا وار کسی گوشت کے بنے ہوئے انسان کی بجائے کسی پتھر کے تراشے ہوئے بت پر پڑا ہو۔

اچانک مہاتما بدھ کی بے نور پتھر سے تراشی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ زور سے بجلیاں چمکنی اور کڑکنی شروع ہوگئیں۔ زوردار آندھی اور طوفان نے مندر کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیا۔ مہاتما بدھ کی آنکھوں سے روشنی [illegible]

تیر نکل کر طوماس کے جسم پر پڑی۔طوماس نے اُٹھ کر دیکھا کہ سامنے آذر، احمد کے روپ میں کھڑا تھا۔اچانک احمد یا آذر نے لوٹ لگائی۔وہ عقاب کی صورت میں تبدیل ہوا اور پھر اُس نے طوماس کی آنکھیں نکال کر اُسے اندھا کرنے کیلئے اُس پر حملہ کیا لیکن ایک دفعہ پھر اُس کے ناخن ٹوٹ کر گر پڑے۔اُسے یوں محسوس ہوا کہ اُس نے پتھر کی مورت پر اپنے ناخن آزمانے کی کوشش کی ہے۔طوماس نے دھاڑتے ہوئے کہا:

''او نابکار مالقا، خود مقابلے پر آ''

مالقا ہاتھی کے روپ میں چنگھارتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور اُس نے طوماس کو اپنی سونڈ میں لپیٹ لیا۔طوماس نے اپنی کمر سے خنجر نکالا۔پھر اس سے پہلے کہ ہاتھی اُسے سونڈ میں لے کر پاؤں تلے کچل دے،طوماس نے خنجر سے ہاتھی کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے مہاتما بدھ کی مورتی کی طرف بڑھا اور اُسے ٹکر مار کر ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہا لیکن اِس سے پہلے کہ وہ بدھ کے مجسمے پر حملہ آور ہو،ایک طرف کی چھت اُس پر آگری اور ہاتھی اِس طرح پچک گیا کہ گویا وہ کوئی توانا جسم اور مضبوط ہڈیوں کی بجائے خالی مٹی کا بنا ہوا کھلونا ہو۔آذر نے جھرجھری لی اور وہ اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔مالقا ہاتھی

کے روپ میں ختم ہو چکی تھی۔طوماس نے مورتی ... کرتے ہوئے کہا:

''بھگوان! تُو نے حسن کی اِس بے پناہ خوبصورت جادو کی گڑیا کو ختم کر دیا جس سے تنگ آ کر میں نے کنوئیں میں کود کر خودکشی کی تھی۔مجھے خطرہ تھا کہ اُس کا حسن میری عبادت اور میری دلائی لاما والی حیثیت کو گناہ کی دلدل میں نہ دھکیل دے۔میں نے گناہ سے بچنے کیلئے خودکشی کی تھی اور ہزاروں سال بعد اِسی لئے زندگی کی بھیک مانگی تھی کہ میں اِس حسین گناہ کو ریزہ ریزہ کرنا چاہتا تھا''

اِس کے بعد لاڈوس یعنی طوماس نے مسکراتے ہوئے احمد کی طرف دیکھا جو حیرت کے سمندر میں گم یہ سب کھیل تماشے دیکھ رہا تھا جہاں ماضی کئی ہزار سال بعد حال بن کر اُس کے سامنے موجود تھا اور کہا:

''میرے ساتھ آؤ میرے دوست۔اب جبکہ تم ایک دفعہ پھر اپنے ماضی کو جان چکے ہو میں آتش کی روح کو کنوئیں سے نکال کر تمہارے سپرد کر دوں''

احمد کسی سحر زدہ انسان کی طرح طوماس کے پیچھے چلتے ہوئے اِس کنوئیں پر آ گیا جو کافی لمبا چوڑا بھی تھا اور گہرا بھی۔طوماس نے کچھ پڑھ کر کنوئیں کے اندر پھونک دیا۔پانی کے اندر سے ایک بڑی مچھلی نمودار ہوئی۔طوماس

نے کہا:

"اپنے پیٹ کے اندر موجود ہزاروں برس پرانی امانت کو میرے حوالے کردے"......

مچھلی نے باہر آکر ایک شیشے کا گولا اُگل دیا اور پھر کنوئیں میں کود گئی۔ طوماس نے اس شیشے کے گولے کو زمین پر مار کر توڑ دیا۔ زور سے بجلی چمکی اور آسمان سے پہاڑ کو پھاڑتی ہوئی مندر کے صحن میں آگری۔ روشنی کے اس جھمکے سے دیوی آیشں حال کی نسرین بن کر عروسی کپڑوں میں داخل ہوئی۔ نسرین نے احمد اور احمد نے اُس کی طرف دیکھا۔ پھر اس سے پہلے کہ دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھیں، کراہنے کی آواز سن کر اُنہوں نے دیکھا کہ طوماس نے اپنا سر کاٹ لیا تھا۔ پہلے اُس کا سر کنوئیں میں گرا اور پھر دھڑ۔ احمد اور نسرین جلدی جلدی اس جادو کی دنیا سے باہر آئے۔ اب وہ برف پوش پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے تھے جہاں جھرنے پگھلی ہوئی چاندنی کی طرح بہہ رہے تھے۔ برف اس طرح چمک رہی تھی کہ گویا زمین نے چاندنی کا لباس پہن لیا ہو۔

دونوں نے ایک نہایت ہی خوش کن خوشبو کو محسوس کیا۔ اُن کے سامنے سونے اور ہیروں سے مرصع ایک محل موجود تھا جس سے خوشبو نکل کر اُن تک پہنچ رہی تھی۔ یہ محل ہوا میں معلق تھا اور اس سے ایک صدا آرہی تھی:

"میں تم دونوں کے قدم چھونے کیلئے بے تاب ہوں۔ میرے اندر آجاؤ۔ میرے اندر آجاؤ"

دونوں سحر زدہ انداز میں اس محل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پھر جونہی دونوں اس کے اندر داخل ہوئے تو یہ محل اُن کو لے کر ہوا میں پرواز کر گیا۔ پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں سے بھی اُوپر ایک نیلگوں آسمان پر سب طاقتوں کے دیوتا اپنے اپنے تختوں اور تاجوں سمیت بیٹھے ہوئے تھے۔ محل اُس میدان میں اُتر گیا۔ پھر جلد ہی چند جلادوں نے دونوں کو گرفتار کرتے ہوئے دیوتاؤں کے سامنے پیش کر دیا۔

اندر دیوتا جو اِن میں سب سے بڑا تھا، نے کہا:

"دیوی آیشں! اپنا عہد یاد رکھو، ہمارا فیصلہ بدلا نہیں۔ تم نے پہلا جنم ختم کر کے دوسرا جنم پورا کیا ہے۔ ابھی پانچ بار اور تمہیں جنم لے کر ہمارے فیصلے کو عملی جامعہ پہنانا ہے"

اس کے ساتھ ہی ایک تلوار اُسے دی گئی۔ آیشں نے حسرت کے ساتھ آذر یعنی احمد کی طرف دیکھا اور غمگین مسکراہٹ کے ساتھ کہا:

"غم نہ کر آذر! ہم پانچ بار اور جنم لیں گے یہاں

تک کہ ہماری سزا ختم ہو جائے گی اور ہم ہمیشہ کیلئے مل جائیں گے۔ میں تیرا انتظار کروں گی"......

دیوی آئیش نے تلوار سے اپنا گلا کاٹ لیا اور چند ہچکیاں لینے کے بعد ختم ہو گئی۔ اُس کی روح نکل کر دوبارہ ایک شیشے کے گلاب میں داخل ہو گئی اور وہ پرواز کر گیا۔ آذر یعنی احمد نے وہی تلوار اُٹھائی اور اُسے اپنے دل میں اُتار لیا۔ وہ بھی زمین پر گرا اور ختم ہو گیا۔ آہستہ آہستہ دھند چھاتی چلی گئی اور پھر یہاں موجود تمام دیوتا اسی دھند میں چھپ گئے۔

اُدھر گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ احمد کے سینے میں تلوار دھنسی ہوئی تھی۔ سب اس خودکشی پر حیران تھے لیکن سوچ بچار کے بعد بھی کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا.....!

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

☆ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین سے سرکشی ہے۔

☆ جو اپنی زبان قابو میں رکھتا ہے، اللہ اُس کے عیوب چھپا لیتا ہے

☆ ایمان والوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو اچھے اخلاق والے ہوں۔

☆ کامل ایمان اُن کا ہے جن کے اخلاق پسندیدہ ہیں۔

☆ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

☆ کسی ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ دینا بہترین جہاد ہے۔

☆ اللہ اُس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

☆ کھاؤ، پیو، پہنو مگر اسراف سے بچو۔

مرسلہ: سلیم اختر ساحلی' لاہور

خوف ناک بلا

ناہید انجم

شاہی محل کی وہ پراسرار کھڑکی آج بھی کھلی تھی جس میں ایک خوفناک بلا جس کے منہ سے آگ، ناک سے خون اور سر سے پانی بہہ رہا تھا، نظر آرہی تھی۔ اِس بلا کو کئی لوگوں نے دیکھا۔ پھر یہ بلا ہر روز کھڑکی میں نظر آنے لگی۔ اِس کی خبر بادشاہ تک بھی جا پہنچی۔

یہ بادشاہ بڑا ظالم تھا۔ اُسے صرف اپنی ذات سے

غرض تھی۔ اُسے دولت سے بہت پیار تھا اور لالچ نے اُس کی آنکھیں اندھی کر دی تھیں۔ بادشاہ عوام کے پیسے کو لوٹنا اپنا حق سمجھتا تھا۔ اس طرح اُس نے اپنے ذاتی خزانے میں کافی اضافہ کرلیا تھا۔ بادشاہ کے عوام بے بس تھے اور اُس کے آگے کوئی فریاد تو کیا کرنی بول بھی نہیں سکتے تھے۔

شاہی محل کی کھڑکی میں پراسرار بلا کی خبر پا کر بادشاہ کو تعجب ہوا۔ اس بلا کی شاہی محل میں آمد بادشاہ کی سمجھ سے بالاتر تھی کہ وہ یہاں کیسے اور کیوں آئی؟

ایک دن شاہی محل کے تمام تر شیشے ٹوٹ گئے۔ شیشوں کی کرچیں ہر طرف بکھر گئیں۔ یہ کرچیاں خون سے تر تھیں۔ یہ خون نجانے کس مخلوق کا تھا۔ دربار کے تمام ملازم اِسے دیکھ کر خوف زدہ ہوگئے اور آہستہ آہستہ یہ کہہ کر بھاگنے لگے:

"کل ہم یہاں نوکری نہیں کریں گے"

یہ صورتحال بادشاہ کیلئے بڑی نقصان دہ تھی۔ اُدھر ملکہ بھی بڑی پریشان تھی کہ یہ سب کچھ کیوں ہوگیا۔ کھڑکی میں پراسرار بلا کا قیام بڑھنے لگا۔ بادشاہ بھی اِس سے خوف زدہ رہنے لگا...... اُس نے اِس بلا کو بھگانے کیلئے ملک کے تمام تر عامل طلب کر لئے۔

عامل آئے اور اپنا اپنا عمل کر کے چلے گئے۔ کسی نے بادشاہ کو کچھ بتایا اور کسی نے کچھ نہ بتایا۔ زیادہ تر عاملوں کا کہنا تھا کہ بادشاہ ظالم ہے اور اُس کا زوال اب قریب ہے۔ شاہی محل میں اِس پراسرار بلا کی آمد اور پھر اُس کا قیام اِس بات کا ثبوت ہے۔

بادشاہ نے عاملوں سے اپنے زوال کا سنا تو وہ آگ بگولا ہوگیا اور اُسی وقت تمام عاملوں کو قید کر ڈالا کیونکہ اُسے اپنے تخت و راج سے بہت پیار تھا۔

عاملوں کی یہ پیش گوئی ایک ہفتہ بعد درست ثابت ہوگئی۔ بادشاہ کے بیٹے ارجمند شہزادے نے اپنے باپ کے تخت و حکومت پر قبضہ کرلیا۔ اُس سے اپنے ملک کے غریب لوگوں پر اپنے باپ کا ظلم و ستم دیکھا نہ جاتا۔ اُسے یہ بات بھی ناپسند تھی کہ بادشاہ یعنی اُس کا باپ رعایا کے مال و دولت چھین کر اپنے خزانے میں اضافہ کرے۔ بادشاہ کی ملکہ بھی اُس کی ہم خیال تھی جس کا ارجمند شہزادے کو بڑا دکھ تھا۔

ارجمند شہزادہ بادشاہ تو بن گیا لیکن ابھی وہ اُمور سلطنت کے طریقوں سے مکمل واقف نہ تھا۔ اُس نے خدا سے دُعا مانگی اور پھر ایک غیبی طاقت اُس کی مدد کرنے لگی۔ لوگ بھی اِس کو اپنا صحیح نجات دہندہ ماننے لگے۔

بتاتا تھا اور سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا تھا۔

پراسرار بلا کو شاہی محل کی کھڑکی میں پا کر رعایا یہ سمجھنے لگی کہ اب بادشاہ کا زوال قریب ہے۔ اب ملک میں جرائم بڑھنے لگے۔ عیش و عشرت کی خاطر لوگوں میں حلال و حرام کی تمیز نہ رہی۔

ایک دوپہر ارجمند بادشاہ اپنی خواب گاہ میں لیٹا ہوا تھا کہ شاہی محل کی وہ کھڑکی کھلی جس میں پراسرار بلا کا قیام تھا۔ وہ چلتے چلتے بادشاہ کے قریب آن کھڑی ہوئی اور اُسے مخاطب کر کے کہنے لگی:

"ارجمند! تم ایک نیک بادشاہ ہو لیکن تمہاری رعایا تمہارا کہا ماننا نہیں چاہتی جس کی سزا اُن کو ملنے والی ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ بلا کھڑکی میں پھر چلی گئی اور وہاں جا کر غائب ہو گئی۔ بلا کی یہ بات سن کر بادشاہ خوش بھی ہوا اور نہیں بھی۔ سزا کے تصور سے وہ خوش اس لئے تھا کہ رعایا کو کچھ سبق مل جائے گا۔ یہ سزا کیا تھی خود ارجمند کو بھی معلوم نہیں تھا۔

اپنے عوام کو بادشاہ تو کوئی سزا نہ دے سکا لیکن خدا نے دینی شروع کر دی۔ ملک میں قحط سالی کے آثار شروع ہو گئے۔ شاہی محل کی کھڑکی میں وہ پراسرار بلا اب کم نظر آتی۔ اب وہ بادشاہ کو صرف اناج دینے ہی آتی۔ یہ اناج صرف ایک وقت کے کھانے پر مشتمل ہوتا۔

قحط نے اس قدر بُری صورتحال اختیار کر لی کہ ارجمند بادشاہ بھی کچھ نہ کر سکا۔ بھوک سے تنگ آ کر عوام شاہی محل کی طرف آنے لگے۔ محل کے قریب پہنچ کر وہ بادشاہ سے روٹی مانگتے۔ روٹی بادشاہ کے پاس ہوتی تو وہ انہیں دیتا۔

یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا۔ عوام بادشاہ کے پاس جاتے اور ناکام ہی لوٹتے۔ رعایا کا یہ حال دیکھ کر ارجمند بادشاہ بھی پریشان ہو گیا۔ قحط سالی نے عوام کو مرنے پر مجبور کر دیا۔ اُن کو اپنے ہی کئے کی سزا مل رہی تھی، نہ وہ محنت سے منہ موڑتے اور نہ آج اُن کی یہ حالت ہوتی۔

شاہی محل کی کھڑکی روزانہ کھلتی اور ایک غیبی ہاتھ تھوڑا سا اناج دے کر بادشاہ ارجمند کو غائب ہو جاتا۔ یہ اناج کھا کر بادشاہ کا پیٹ تو بھر جاتا لیکن دل مطمئن نہ ہوتا۔ اُس کے سامنے اُس کی عوام کی حالت آ جاتی جو بھوک سے دم توڑ رہے تھے۔

ایک دن کھڑکی سے پراسرار غیبی ہاتھ نے کھانا بادشاہ کو دیا تو اُس نے یہ کہہ کر کھانا واپس کر دیا۔

"میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا کیونکہ میری رعایا کو کھانے کو کچھ میسر نہیں ہے"......

بادشاہ بنتے ہی ارجمند شہزادے نے رعایا کا خیال کرنا شروع کر دیا۔ وہ ہر طرح کی سہولت اُنہیں فراہم کرتا اور ساتھ ساتھ اُنہیں محنت کی تلقین کرتا۔ عوام نے ارجمند بادشاہ کی بات کو اہمیت دی اور وہ ترقی کی راہ پہ چلنے لگے۔ ملک پہلے کی نسبت زیادہ خوشحال ہونے لگا کیونکہ سرکاری خزانہ رعایا کے کام میں آرہا تھا۔

دوسری طرف رعایا کے کچھ لوگ بادشاہ سے بہت زیادہ مراعات پاکر اپنا نصب العین بھول گئے اور وہ عیش وعشرت میں مگن ہو گئے۔ دن اور رات اُن کے ہاں ناچ گانے کی محفلیں سجنے لگیں۔

ارجمند بادشاہ نے یہ حالات دیکھے تو اُس نے اپنی رعایا کو دربار میں طلب کر لیا۔ اِن لوگوں کو بادشاہ کی یہ بات بہت ناگوار لگی اور اُسے کہلوا بھیجا:

"بادشاہ ہم سے اگر ملنے کا خواہش مند ہے تو سرِعام ملے"......

رعایا کا خیال تھا کہ بادشاہ اُن کی بات نہیں مانے گا۔ اِس لئے اُنہوں نے یہ پیغام بادشاہ کو بھجوا دیا جس کے ملتے ہی بادشاہ رعایا میں چلا آیا۔ پھر رعایا سے بادشاہ نے کوئی اور بات نہ کی بلکہ اتنا ضرور پوچھا:

"آپ لوگ محنت سے کیوں منہ موڑ چکے ہیں"

اِس پر بادشاہ کو سب نے باری باری یہ بتایا:

"ہم عیش وعشرت کے دلدادہ ہیں۔ محنت ہمارے بس کا روگ نہیں۔ آپ کیسے بادشاہ ہیں جو ہمیں خوش وخرم نہیں دیکھ سکتے"......

بادشاہ کیلئے یہ جواب ناقابلِ قبول تھا کیونکہ وہ خود بڑا محنتی تھا اور اُسے عیش وعشرت کی زندگی سے نفرت تھی۔ اُس کے عوام عیش وعشرت میں مگن تھے۔ اِس بات سے بے خبر کہ اِس کا انجام بُرا ہوگا۔

بادشاہ نے اُنہیں سمجھانا چاہا مگر بے سود۔ وہ اکثر اپنی رعایا کو محنت، شرافت اور دیانت کی تلقین کرتا لیکن وہ اِن باتوں کو قطعی کوئی اہمیت نہ دیتے اور وہ عیش وعشرت کو ہی اپنا حاصلِ زندگی سمجھتے۔

رعایا کو گناہوں میں گھرے دیکھ کر پُراسرار بلا پھر ڈرانے لگی۔ اُسے دیکھ کر بادشاہ کو اپنے زوال کا خیال آنے لگا لیکن وہ گھبرایا نہیں۔ بادشاہ ایک نیک فطرت انسان تھا جو زوال کے بعد بھی عام آدمی کی زندگی بسر کر سکتا تھا۔ اُسے عیش وعشرت سے کوئی رغبت نہ تھی۔

اُدھر لوگوں نے شاہی محل کی کھڑکی میں پُراسرار بلا کو دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ عیش پسند رعایا کو اپنا نیک بادشاہ قطعی پسند نہ تھا۔ یہ بادشاہ اُنہیں حق کی باتیں

بادشاہ کی یہ بات سن کر ہاتھ غائب ہو گیا۔ وہ روز بادشاہ کو کھانا لا کر دیتا لیکن بادشاہ نہ کھاتا۔

قحط پڑے ایک سال ہونے والا تھا۔ بچے ہوئے لوگ خدا کے خوف سے اُس کی عبادت کرنے لگے۔ اُدھر بادشاہ بھی ہر وقت عبادت میں لگا رہتا۔ اُس کی دُعا قبول ہوئی اور ایک رات خوب بارش ہوئی جو کہ صبح تک جاری رہی۔

بارش کو خدا کی رحمت جان کر بھوکے عوام قحط سالی سے نجات کی دعائیں مانگنے لگے۔ پھر اُن کی مرادیں بر آئیں۔ چند دنوں کے بعد ملک میں سبزہ ہی سبزہ لہرانے لگا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا ملنے لگا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اُن کو سزا عیش و عشرت میں مگن رہنے کی وجہ سے ملی تھی۔ اب اُنہوں نے اِس سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے توبہ کر لی۔ محنت کو اُنہوں نے اپنا شعار بنالیا۔ تب وہ بادشاہ کے پاس بھی یہ عہد کرنے چلے کہ اب وہ کبھی بھی محنت سے منہ نہیں موڑیں گے۔

بادشاہ ارجمند کیلئے یہ بات بڑی حوصلہ افزا اور خوش کن تھی۔ اُدھر شاہی محل کی کھڑکی سے وہ پُراسرار بلا بھی غائب ہو گئی۔ پھر عوام اپنے بادشاہ ارجمند کے ساتھ پہلے کی طرح خوش و خرم رہنے لگے۔

لطائف کا طوفان

ایک عورت گھبرائی ہوئی دکان دار کے پاس آئی اور کہنے لگی:

"میں کچھ دیر پہلے یہاں آئی تھی اور اپنا لال رنگ کا پرس بھول گئی۔ کیا آپ کے پاس ہے؟"

دکان دار: (ایک پرس دکھاتے ہوئے) کیا یہی ہے؟"

عورت: "ہاں لیکن اِس میں ایک سو روپے کا نوٹ تھا اور اب دس دس کے دس نوٹ ہیں"

دکان دار: "جی ہاں! میں نے سوچا شاید آپ کے شکریہ ادا کرنے کیلئے ریز گاری نہ ہو"

مرسلہ: زاھد حسین شیخو پورہ

پانچ روپے

تحریر: منظور ممتاز
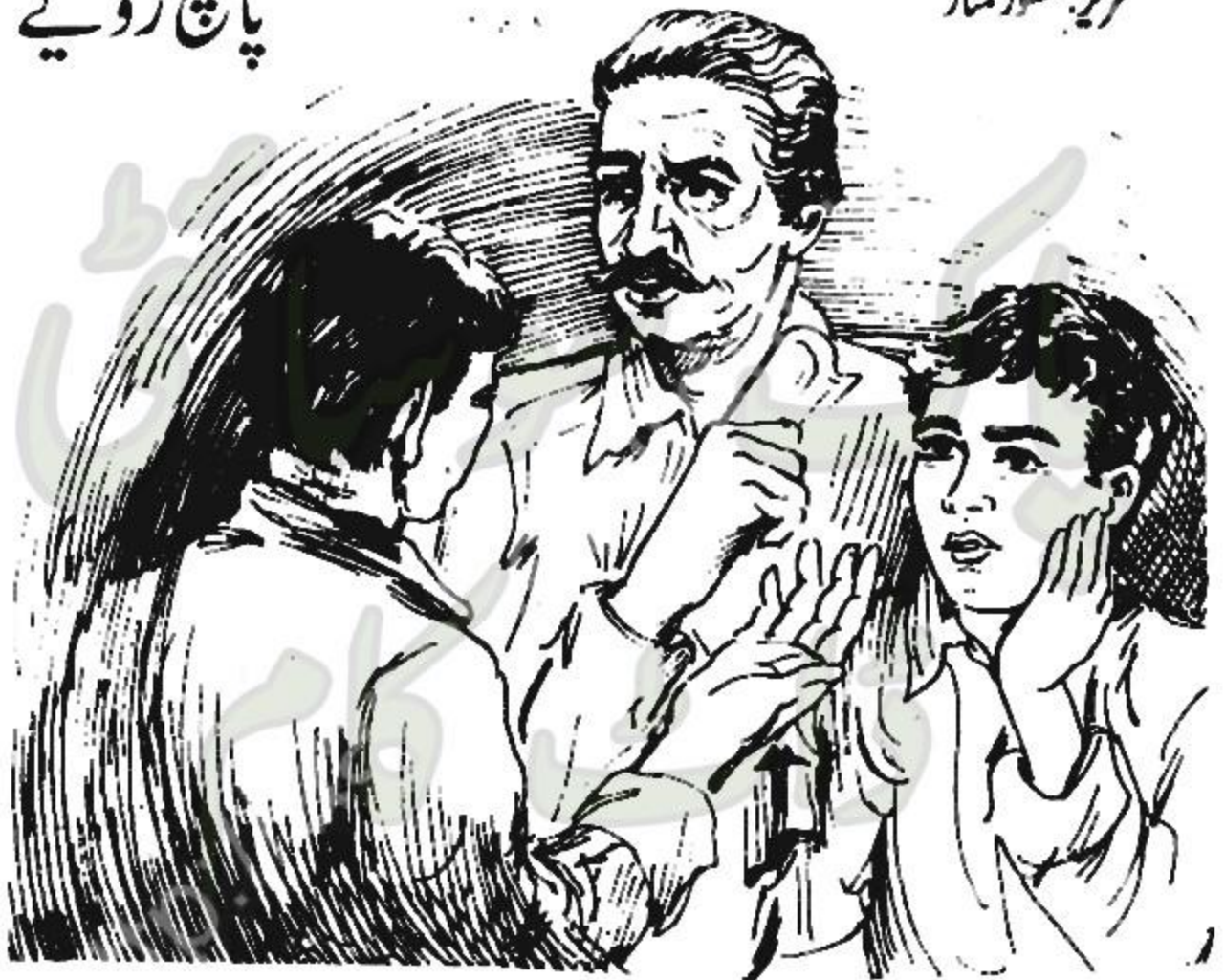
جب سے میں ریٹائرڈ ہو کر اپنے آبائی شہر میں بسا ہوں، ایک طرح سے میرا یہ معمول ہو گیا ہے کہ ناشتے کے بعد بازار سے سودا سلف خریدنے کیلئے نکلتا ہوں تو پھر خریداری سے فارغ ہو کر کچھ وقت کیلئے راستے میں حاجی منور کی آڑھت پر جا بیٹھتا ہوں۔ وہ میرا ہم جماعت ہے اور بچپن کا دوست بھی۔ اجناس کی آڑھت اُس کا آبائی

پیشہ ہے کہ اُس کے والد نے اِس آڑھت پر ساری زندگی گزاری اور اب وہ بھی زندگی کے ساٹھ برس اِسی آڑھت پر گزار چکا ہے۔

وہ شہر کا ایک پرانا، ایماندار اور مشہور آڑھتی ہے۔ اُس کا کاروبار خوب چلتا ہے اور وہ ایک خوشحال تاجر کی زندگی گزار رہا ہے۔ کبھی کبھار کسی جنس میں وہ میری پس انداز رقم بھی لگوا دیتا ہے جس سے چار چھ ماہ بعد مجھے کچھ نہ کچھ منافع حاصل ہو جاتا ہے اور اس بڑھتی ہوئی مہنگائی کے زمانے میں پنشن کے علاوہ اس زائد آمدن سے اچھی طرح گزر بسر کر لیتا ہوں۔

میرے اِس دوست کی ایک عجیب سا عادت ہے کہ وہ ہر مستحق سائل کو پانچ کا نوٹ ہی دیتا ہے۔ پانچ پانچ کے نوٹ بار بار دیئے جانے نے مجھ میں ایک کرید سی پیدا کی اور میرے استفسار پر اُس نے اپنی زندگی کا ایک عجیب واقعہ یوں بیان کیا۔

گزشتہ دو برس سے میرے والد کو کاروبار میں مسلسل خسارہ ہو رہا تھا اور 1941ء میں جب میں نویں جماعت کا طالب علم تھا تو حالت یہاں تک جا پہنچی کہ گھر میں دو وقت چولہے کا گرم ہونا بھی مشکل ہو گیا۔ گزشتہ کئی دنوں سے گھر میں مسلسل مختلف قسم کی دالیں پک رہی تھیں اور آٹا کئی ماہ سے ایک روپے سے زیادہ کا نہ آتا تھا۔ جنگ عظیم دوم شروع ہوئے قریباً دو برس ہو چکے تھے اور مہنگائی آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی، پھر بھی ایک روپے کا سیر بھر خالص گھی، بہترین قسم کا اٹھارہ سیر آٹا، دو من لکڑ کی خشک لکڑیاں مل جایا کرتی تھیں مگر اُدھار کا ملنا اُس زمانے میں بہت مشکل تھا۔ لوگوں کی آمدنیاں نہایت قلیل تھیں۔

دو برس پہلے تک یہی گھر تھا جس میں سال بھر کا اناج، مرچ مسالا، ایندھن وغیرہ ہمیشہ موجود رہتے تھے اور دال تو ہفتوں بعد کہہ کر پکوانی پڑتی تھی کہ ماش اور چنے کی دال جلی وال ہم سب کو بہت پسند تھی۔ اب حالت یہ ہو گئی تھی کہ کئی دن سے گھر میں مسلسل مونگ، ماش، چنے اور مسور وغیرہ کی دالیں پک رہی تھیں اور بچے تھے کہ گوشت کی فرمائش کرتے کرتے تھک گئے تھے مگر گوشت نام کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ سبب اِس کا یہ تھا کہ گزشتہ دو برس کے مسلسل خسارے نے والد صاحب کا کاروبار تباہ کر دیا تھا۔ خاصی رقم آڑھت کے لگے بندھے بیوپاریوں کی طرف نکلتی تھی جو مسلسل تقاضوں کے باوجود اس لئے نہیں مل رہی تھی کہ بیوپاریوں نے بھی گزشتہ دو برس میں بہت نقصان اُٹھائے تھے۔ وہی آڑھت، جس پر

اناج کے ڈھیر اور کپاس کے انبار لگے رہتے تھے، آج بالکل ویران پڑی تھی۔ بیوپاری اِس لئے آنا چھوڑ گئے تھے کہ وہ آڑھت کے مقروض تھے اور زمیندار اِس لئے اِدھر کا رُخ نہیں کرتے تھے کہ اُن کو ادائیگی کیلئے رقم والد صاحب کے پاس باقی نہ رہی تھی۔ اب وہ آڑھت پر بہت معمولی سا کاروبار کررہے تھے جس سے چار بچوں کے اِس گھر کا گزارا کرنا نہایت مشکل ہوگیا تھا۔

کئی ماہ سے سکول جانے والے بچوں کا جیب خرچ بند تھا۔ بچے گوشت اور پھل کی شکل تک کو ترس گئے تھے حالانکہ گوشت اور پھل اِس گھر کے معمول میں سے تھے۔ بچوں میں سب سے زیادہ ذلت کا سامنا مجھے تھا۔ میں نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اب نہ تو میرے پاس ڈھب کے پہننے کے کپڑے باقی رہے تھے اور نہ میرا جوتا ہی اِس قابل رہا تھا کہ پہنا جائے۔ میرے پاس ایک ہی جوتا تھا جسے بار بار مرمت کروا کے پہننا پڑتا تھا اور لڑکے اب میرا مذاق اُڑانے لگے تھے حالانکہ دو برس قبل ہی میں اپنی جماعت کے خوش پوش طلباء میں شمار ہوتا تھا اور میرے جوتے بھی اعلیٰ قسم کے ہوا کرتے تھے۔

میرے شعور کی آنکھ بیدار ہوچکی تھی اور میں خود دیکھ اور محسوس کررہا تھا کہ کاروبار بالکل ٹھپ ہوچکا تھا اور دو وقت کی روٹی جو پک رہی تھی اُس کیلئے والد صاحب کو انتہائی دوڑ دھوپ کرنا پڑتی ہے۔ اناج کی چھوٹی موٹی ڈھیری وہ کبھی اپنی اور کبھی دوسری آڑھت سے خریدتے تھے اور اپنی نگرانی میں اِس کی ادنیٰ اور اعلیٰ دو قسمیں بنواتے۔ ادنیٰ کو وہ کسی چکی والے کو چند دن کے اُدھار پر اُٹھوا دیتے اور اعلیٰ قسم کوئی گھریلو خریدار زیادہ دام دے کر لے جاتا تھا۔ بہرطور گیہوں، چنے اور کپاس کے کاروبار میں اُن کا برسہا برس کا تجربہ جو بروئے کار لا کر وہ نہایت محنت سے بچوں کیلئے دو وقت کی روٹی پیدا کررہے تھے۔ مشکلات کے باوجود وہ ہمت نہیں ہارے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جس طرح عزت اور خوشحالی کی ایک انتہا ہوتی ہے اِسی طرح ذلت اور بدحالی کی بھی ایک انتہاء ہوتی ہے۔

اِس بارے میں وہ ایک کہانی سنایا کرتے تھے کہ:

"کسی ملک کا بادشاہ اپنے دشمن سے شکست کھا کر مع اپنے جاں نثاروں کی مختصر تعداد کے بھاگ نکلا۔ قریہ قریہ جنگل جنگل دربدر ہوتا پھرا۔ جن صوبے داروں پر اُسے اعتبار تھا اُنہوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ جاں نثاروں کا جو دستہ اُس کے ساتھ نکلا تھا، اُس میں بھی کمی ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ صرف چند نہایت ہی مخلص ساتھی اُس

کے ساتھ رہ گئے۔ جنگلوں بیابانوں میں بھٹکتے بھٹکتے اُسے اپنے دور دراز کے ایک صوبہ دار کا خیال آیا اور وہ اُس کی مدد حاصل کرنے کو روانہ ہوا۔

راستے میں بھوک پیاس سے نڈھال ہو کر وہ اور اُس کے دو چار ساتھی ایک حویلی کی دیوار کے سائے میں ذرا دیر ستانے کو بیٹھ گئے۔ پیاس کی شدت سے اُن کی حلق خشک ہو رہے تھے کہ پانی ایک چھوٹی سی دھار دیوار کے اُوپر سے گری۔ بادشاہ نے اِسے غیبی مدد سمجھ کر منہ کھول دیا۔ پانی کے چند قطرے جب اُس کی حلق میں پہنچے تو اُن کی بو نہایت ہی ناگوار تھی۔ بادشاہ نے جب اِس دھار کے منبع کا سراغ لگانے کو اُوپر نگاہ کی تو دیوار کے پاس کھڑا ایک کتا ٹانگ اُٹھائے موت رہا تھا۔ بادشاہ نے قے کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"یہ ذلت کی انتہا ہے۔ یقیناً اب ہمارے دن پھرنے والے ہیں۔ اُٹھو اب دیر نہ کرو"

وہ ساتھیوں سمیت صوبے دار کے یہاں جا پہنچا جس نے اپنے آقا کی بہت آؤ بھگت کی، اُنھیں ہر طرح کا آرام و آسائش مہیا کی اور پھر چند دن بعد ضروری سپاہ اور اسلحہ لیے اُن کے ساتھ ہو گیا جس کی مدد سے بادشاہ نے اپنے دشمن کو پے در پے شکستیں دے کر اپنی سلطنت دوبارہ حاصل کر لی"...

والد صاحب کا خیال تھا کہ وہ بدحالی کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں اور اب اُن کے دن پھرا ہی چاہتے ہیں مگر دن تھے کہ پھرنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ جب بھی گرمی، سردی کا موسم آتا یا عیدیں آتیں یا پھر عزیزوں کے شادی کا موقع آتا، کبھی بچوں کے نام کٹنے سے ایک دن پہلے ماں کا کوئی زیور بک جاتا، آہستہ آہستہ لکڑی کا وہ بڑا منقش ڈبہ جو زیورات سے بھرا ٹرنک میں پڑا رہتا تھا، خالی ہو گیا۔ اُن کے کانوں کی بالیاں جو باقی رہ گئی تھیں، ابھی چند دن پہلے بچوں کی فیسوں اور سردیوں کے چھوٹے موٹے کپڑے بنانے کیلئے بک گئی تھیں۔ خدا معلوم بدحالی اور ذلت کی وہ کونسی انتہا تھی جسے پہنچنے کے بعد ہمارے دن پھرنے تھے۔

سردی کا موسم تھا۔ سکول جانے سے پہلے بچوں کو رات کی بچی ہوئی مسور کی دال سے صرف ایک ایک ہلکی سی روٹی ملی تھی کہ آٹا آج صبح کم پڑ گیا تھا مگر بچوں سے وعدہ کیا گیا تھا کہ سکول سے لوٹنے تک کھانا تیار ہو گا اور دال کی بجائے نئے آلوؤں، ہری پیاز اور دھنیا کی بھجیا اور چپڑی روٹیاں تیار ہوں گی۔

سکول سے ساڑھے تین بجے کے لگ بھگ چھٹی

ہوئی تو مارے بھوک کے میرا برا حال تھا اور میں تیز تیز قدم اُٹھاتا گھر آ رہا تھا کہ دیکھا کہ ایک آدمی ایک لالے کی آڑھت سے رقم لے کر نکلا ہے اور نوٹ گنتا چلا جا رہا ہے کہ اچانک اُن میں سے پانچ کا ایک نوٹ گر گیا اور وہ آگے بڑھ گیا ہے۔ میں نے لپک کر نوٹ اُٹھالیا مگر میرے نوٹ اُٹھانے کے ساتھ ہی ایک اور ہاتھ میرے ہاتھ پر آن پڑا۔ یہ ایک معمر آدمی کا ہاتھ تھا جو مجھ سے نوٹ چھین لینا چاہتا تھا مگر مٹھی میں نے مضبوطی سے بند کرلی اور اُس سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ نکلا جس سے میری قمیض کی آستین پھٹ گئی۔ وہ میرے پیچھے لپکا۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ قریب آن پہنچا ہے تو میں نے جوتے (جو پرانے ہو کر میرے پاؤں میں ڈھیلے پڑ گئے تھے اور بھاگنے میں میرے لئے مشکل پیدا کر رہے تھے) پاؤں سے الگ کئے اور تیزی سے دوڑتا ہوا اپنی آڑھت پر جا کر دم لیا جو کچھ زیادہ دُور نہ تھی۔ ذرا دیر میں وہ معمر شخص بھی ہانپتا کانپتا آن پہنچا اور میرے والد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

"یہ لڑکا میرا پانچ کا نوٹ اُٹھا کر بھاگ آیا ہے"

والد نے مجھے گھورتے ہوئے کہا:

"نوٹ اِسے دے دو"......

میں نے اُنہیں بتایا کہ "نوٹ" اِس آدمی کا نہیں ہے۔ مجھے یہ سڑک پر پڑا ہوا ملا ہے البتہ اِس نے سڑک پر سے یہ نوٹ اُٹھاتے مجھے دیکھا۔ یہ مجھ سے چھین لینا چاہتا تھا کہ میں اِس سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ نکلا ہوں جس سے میری قمیض کی آستین بھی پھٹ گئی ہے اور جب اُس شخص نے میرا پیچھا نہ چھوڑا تو میں اپنا جوتا بھی سڑک پر چھوڑ کر تیزی سے بھاگ آیا ہوں۔

میری باتیں سن کر وہ شخص قسمیں کھانے لگا کہ نوٹ اُسی کے ہاتھ سے گرا تھا۔ والد صاحب نے مجھے ایک بار پھر نوٹ واپس کر دینے کو کہا اور میں نے پھر یہ کہتے ہوئے کہ "نوٹ اِس آدمی کا نہیں ہے" دینے سے انکار کر دیا۔ میرے انکار سے اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اُنہوں نے میرے منہ پر اِس زور کا تھپڑ مارا کہ میں چکرا کر گر پڑا۔ اُنہوں نے میری مٹھی سے پانچ کا نوٹ نکال لیا اور اُسے دینے کیلئے بڑھے ہی تھے کہ وہ آدمی جس کے ہاتھ سے نوٹ گرا تھا، ہماری آڑھت میں داخل ہوا اور میں نے اُسے پہچانتے ہوئے کہا کہ "نوٹ اِس آدمی کے ہاتھ سے گرا تھا جو ابھی آیا ہے"......

"تو پھر تم نے اُنہیں واپس کیوں نہ دیا۔ یہ تو ہمارے پرانے بیوپاری ہیں۔ کیا تم اِنہیں نہیں پہچانتے گر

کہ دو برس سے انہوں نے اپنی شکل نہیں دکھائی"......

"میں نوٹ اُٹھا کر انہیں آواز دینے ہی والا تھا کہ اس شخص نے میرے ہاتھ پر ہاتھ ڈالا اور نوٹ مجھ سے چھین لینا چاہا اور جب میں نے ہاتھ چھڑایا تو یہ مجھ پر اس طرح جھپٹا کہ میرے حواس جاتے رہے اور میں بھاگ نکلا اور اسی میں میرا جوتا بھی جاتا رہا۔ اب میں سکول جانے سے بھی رہا کہ میری قمیض پھٹ گئی ہے اور دوسری ہے نہیں"

"اللہ مسبب الاسباب ہے۔ کسی کے مال پر ہاتھ ڈالنا حرام ہے"

"ہاں تو میاں! اب تم بتاؤ کہ تم تو قسمیں اُٹھا رہے تھے کہ نوٹ تمہارا ہے؟"

"میاں صاحب! میرے بچے کل سے بھوکے ہیں۔ اسی لئے جھوٹی قسم اُٹھانے پر مجبور ہو گیا تھا کہ بھوکے پیٹ حرام بھی جائز ہو جاتا ہے"

اُس نے بھیگی آنکھوں اور مری ہوئی آواز میں بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"حقیقت وہی ہے جو بچے نے بیان کی، نوٹ میں نے ان ہی کے ہاتھ سے گرتے دیکھا اور سوچا تھا کہ اللہ نے میرے رزق کا سامان کیا ہے۔ میں بھوک کی نقاہت سے تیزی سے ہاتھ آگے نہ بڑھا سکا۔ جب نوٹ کی طرف جھکا تو اس لڑکے کا ہاتھ اس پر پڑ چکا تھا۔ میں نے پیچھا بھی اسی مجبوری کی بناء پر ہی کیا مگر یہ تو جوتے ہی چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ میں شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے یہ سب کچھ ہوا۔ مقدر جب خراب ہو تو رزق کی بجائے ذلت ہی ملتی ہے"

"کریم بخش! اگر تم چاہو تو یہ نوٹ اس شخص کو دے دو۔ یہ واقعی فاقہ زدہ معلوم ہوتا ہے"

میرے والد نے نوٹ اُس کے اصل مالک کو لوٹاتے ہوئے کہا۔

"میرے ہاتھ کے یہ سارے نوٹ ہی تمہارے لئے ہیں۔ لالہ کی آڑھت سے لے کر گنتا گنتا سڑک پر چلا آیا تھا۔ میں نے پورے گنے تھے اور مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ نوٹ واقعی میرے ہاتھ سے گرا تھا یا نہیں۔ میں تو تمہارا دو برس پرانا قرض چکانے آیا ہوں۔ لالہ کے پاس چھ ماہ سے گندم جو پڑی تھی، جنگ کی وجہ سے اُس میں اچھا خاصا منافع ہوا ہے"

ہزار کی رقم کے جب نوٹ گنے گئے تو نوسو بچانوے نکلے۔ آدمی جو میرے پیچھے لپکا تھا دور کھڑا چچا کریم بخش اور میرے والد کی باتیں سن رہا تھا اور اب اُس نے

آڑھت سے باہر نکلنے کیلئے قدم اُٹھا دیئے تھے۔

"سنو میاں! اللہ نے تمہارے سبب سے ہمارے رزق کا انتظام کیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اور ہمارا رزق سانجھا ہے۔ یہ لو، گھر میں آٹا دال لے کر جاؤ اور کل سے یہیں کام پر بھی آ جانا کہ اب کام کے چلانے کو رقم بھی آ گئی ہے۔"

والد صاحب نے پانچ کا نوٹ اُس آدمی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بات اگر اس طرح ہے تو پھر میرا رزق بھی تمہارے ساتھ وابستہ نظر آتا ہے۔ سنو! آج رات گندم کا میرا ٹرک جو باہر سے آنے والا ہے، اسی آڑھت پر اترے گا کہ تمہارا حق مجھ پر فائق ہے۔ مجھے تو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ رقم روکے رکھنے کی وجہ سے تمہاری آڑھت بالکل ہی ٹھپ ہوگئی ہے۔ اس طرح تم کماؤ گے بھی اور ایک ہزار کی رقم جو میرے ذمہ بقایا ہے وہ بھی تھوڑا تھوڑا کر کے تم لے لینا"......

کریم بخش نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بیٹے! میں نے تم سے کئی بار کہا تھا کہ بقول بادشاہ کے۔ بدحالی اور ذلت کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ آج وہ گھڑی ہماری اور اس فاقہ زدہ شخص کی ذلت کی انتہائی گھڑی تھی"

"آؤ اب چلیں! تمہارے بہن بھائیوں کیلئے نئے جوتے لیں اور نئے کپڑے بھی اور اس خوشی میں پھل اور مٹھائی بھی ضرور خریدیں گے"

سڑک پر میرے پھٹے پرانے جوتے اسی جگہ پڑے تھے جن پر والد صاحب نے مسکراتے ہوئے ایک نگاہ ڈالی اور میں نے مسکراتے ہوئے اُنہیں پہن لیا اور نئے جوتے لینے والد صاحب کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

لطائف کی بارش

مرسلہ: حمزہ امجد، لاہور

استاد: (شاگرد سے) "یہ بتاؤ کہ بے بس کس کو کہتے ہیں؟"

شاگرد (معصومیت سے) "جناب جس کے پاس بس نہ ہو"

☆☆☆☆☆

مالک (نوکر سے) "نہ تم صفائی درست کر سکتے ہو نہ تمہیں سودا لانا آتا ہے آخر تمہیں آتا ہی کیا ہے"

نوکر: "جناب مجھے پسینہ بہت آتا ہے"

چٹان جادوگر

ریحانہ مدثر

عمرو عیار آج کل فارغ تھا۔ اس لئے وہ سوچ رہا تھا کہ کچھ کیا جائے۔ جب اُس نے اپنی زنبیل کی طرف دیکھا تو سوچنے لگا کہ طلسم ہوشربا کی سیر کی جائے اور وہاں کی دولت کے بارے میں سوچ کر عمرو کے منہ میں پانی بھر آیا تو اُس نے جلدی سے ایک ترکیب سوچ لی۔ ابھی اُس نے اپنی ترکیب پر عمل بھی نہیں کیا تھا کہ

اُس پر ایک جال آ کر پڑا اور آندھی چلنے لگی۔ اُس وقت عمرو عیار طلسم ہوشربا کی سرحدوں کے آس پاس تھا اور ایک دم عمرو عیار ساکت ہو گیا۔ وہ صرف کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتا تھا مگر کر کچھ نہیں سکتا تھا اور وہ جال سمیت ایک طرف کو اُٹھنے لگا اور اُسے ایک زوردار جھٹکا لگا۔ ایک دم اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ جب دوبارہ آنکھیں کھلیں تو وہ اور جگہ پر تھا۔

اب وہ ایک پنجرے میں قید تھا اور اُس کے سامنے ایک بہت ہی خوفناک جادوگر کھڑا تھا اور عمرو کو گھور رہا تھا اور پھر اُس نے اپنی سرخ آنکھوں سے عمرو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"اب بتاؤ عمرو! تمہاری عیاری کیا ہوئی۔ اب مجھے بھی اپنی عیاری کے کوئی کرتب دکھاؤ۔ وہ میرا بیٹا ہی تھا جو تمہارے ہاتھوں نقصان اُٹھا گیا تھا۔ اب اُس کا بدلہ بھی میں تم سے لوں گا"......

پھر جادوگر کہنے لگا کہ یہ میری بات کا جواب کیسے دے تو اُس نے ایک پھونک ماری تو عمرو کا جسم ویسا رہا مگر منہ ٹھیک ہو گیا۔ وہ اب بول سکتا تھا۔ تو جادوگر نے کہا:

"اب بتاؤ میری باتوں کا تمہارے پاس کیا جواب ہے"......

تو عمرو نے کہا کہ:

"میں عمرو نہیں ہوں بلکہ تام جادوگر نامی جادوگرنی کا بھانجا ہوں، بے شک پوچھ لو"

جادوگر زور سے ہنسا تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ جیسے زمین پر زلزلہ آ گیا ہو۔ وہ تھوڑی دیر ہنستا رہا۔ پھر کہنے لگا:

"یہ چکر کسی اور کو دینا۔ میں اِس چکر میں نہیں آنے والا۔ بھلا یہ تھیلا جو تمہارے پاس ہے کیا یہ تام جادوگر کا خزانہ ہے یا کوئی اور عیاری کرنی ہے۔ بس اب تمہارا فیصلہ طلسم ہوشربا کے شہنشاہ افراسیاب کے شاہی دربار میں ہوگا۔ تمہیں اِس حالت میں وہاں لے کر جاؤں گا اور انعام حاصل کروں گا"

یہ کہہ کر چنان جادوگر چلا گیا۔

شہنشاہ افراسیاب کے شاہی دربار میں افراسیاب کے علاوہ اور بہت سے جادوگر بھی بیٹھے تھے اور وہ عمرو کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کیونکہ کچھ دن پہلے عمرو افراسیاب کے بھائی کی بیٹی کو لوٹ کر نے گیا تھا جو پورے طلسم ہوشربا میں سب سے زیادہ دولت مند تھی۔ اِس لئے تمام جادوگروں کیلئے عمرو ہر بات میں موجود ہوتا تھا اور بلکہ پورے طلسم ہوشربا میں اعلان ہو چکا تھا کہ جو عمرو کو زندہ یا مردہ حالت میں لائے گا اُس کو اُس کی مرضی کے

مطابق انعام ملے گا۔ اِس لیے تمام جادوگر اپنی کوشش میں مصروف رہتے اور اِن میں چٹان جادوگر بھی تھا اور وہ ہر وقت عمرو کی فکر میں رہتا اور آج اُسے موقع مل گیا تھا مگر شہنشاہ افراسیاب کے دربار میں تمام جادوگر بھی موجود تھے اور عمرو کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ یکدم دروازہ کھلا اور چٹان جادوگر اندر داخل اور کہنے لگا:

"حضور! غلطی کی معافی کہ بغیر اجازت اندر داخل ہو گیا مگر ایک بہت ضروری اطلاع ہے"

تو سب چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ چٹان جادوگر نے کہا کہ وہ عمرو، اور پھر جلدی سے بولا:

"اگر اجازت ہو تو بتاؤں"

اور پھر شہنشاہ افراسیاب کی طرف دیکھنے لگا تو عمرو کا نام سن کر شہنشاہ افراسیاب جلدی سے نرم لہجے میں بولا:

"عمرو کہاں ہے، جلدی سے بتاؤ"

چٹان جادوگر کہنے لگا:

"وہ میرے گھر میں قید ہے۔ میں آپ سے اجازت لینے آیا ہوں کہ اجازت ہو تو یہاں لے آؤں"

تو شہنشاہ افراسیاب جلدی سے چیخ کر بولا:

"اجازت کی کیا ضرورت تھی۔ اُسے جلدی سے لے آؤ تمہیں بہت بڑا انعام دیا جائے گا"......

اُدھر عمرو عیار جو پنجرے میں بند تھا، جادوگر کے جانے کے بعد بے اختیار ہو کر سوچنے لگا کہ یا خدا! یہ دُعا تو نے اتنی جلدی سن لی اور مجھے طلسم ہوشربا پہنچا دیا مگر اب رہائی کا راستہ بھی بتا دے۔ ابھی عمرو سوچ ہی رہا تھا کہ باہر سے ایک جادوگرنی اندر داخل ہوئی۔ اُس نے جب پنجرے میں ایک انسان کو قید دیکھا تو عمرو کے پاس آ کر کہنے لگی کہ:

"تمہیں کیوں قید کیا گیا ہے؟"

مگر عمرو خاموش رہا۔ جب جادوگرنی دو تین دفعہ بلاتی رہی مگر عمرو بولا نہیں، تب جادوگرنی کی نظر عمرو کے جسم پر پڑی تو وہ چونک پڑی اور کہنے لگی کہ:

"اوہو! تو تمہارے جسم کو تو ساکت کیا گیا ہے"

پھر اُس نے ایک پھونک ماری۔ اِس سے کچھ اثر نہ ہوا۔ عمرو کو جو ایک اُمید کی کرن نظر آئی اب وہ بھی ختم ہوتی نظر آ رہی تھی مگر جب دوبارہ اُس نے پھونک ماری تو عمرو کا جسم اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔ تب عمرو نے اپنی زنبیل سے ایک خوبصورت پھول نکال کر کہا:

"یہ لو پھول۔ دراصل میں چٹان جادوگر کا بہت قریبی دوست ہوں اور اُس کیلئے ایک ضروری پیغام ۔۔ کر آ رہا تھا کہ راستے میں مجھے آشیانہ جادوگر مل گیا۔ جب

اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا:

"واہ آج چٹان جادوگر سے بدلہ لینے کا موقع مل گیا"......

تو میں نے کہا:

"میں چٹان جادوگر نہیں ہوں"

تو وہ کہنے لگا کہ:

"تم اس کے دوست تو ہو۔ اس طرح اس کو زبردست چوٹ آئے گی۔ میں تحفے کے طور پر تمہیں پنجرے میں بند کر کے بھیج دیتا ہوں تاکہ اس بات سے وہ سبق حاصل کر سکے کہ کسی وقت وہ مجھے بھی اس طرح بند کر سکتا ہے۔ اس لئے اس نے مجھے یہاں بند کر کے بھیج دیا"......

عمرو بڑے دردمند لہجے میں اپنی عیاری سے بھرپور کہانی سنا رہا تھا۔ تب وہ جادوگرنی حیرانگی سے بولی:

"تمہاری یہ کہانی میری سمجھ سے باہر ہے کہ اول تو کوئی اتنی جرات نہیں کر سکتا کہ چٹان جادوگر کو سبق دینے کی دھمکی دے اور دوسری بات یہ کہ کوئی بھی چٹان جادوگر سے دشمنی نہیں کر سکتا"......

پھر وہ عمرو کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی مظلوموں جیسی بنی ہوئی شکل کو دیکھ کر کہنے لگی:

"اگر واقعی تمہارے ساتھ ایسے ہوا ہے تو میں اس بات میں تمہاری پوری مدد کروں گی"......

اور یہ کہہ کر اس نے ایک پھونک ماری اور عمرو بالکل آزاد حالت میں باہر آ گیا اور پھر اس نے وہ پھول جو ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا جادوگرنی کو دے کر کہنے لگا:

"یہ میں شہنشاہ افراسیاب کے دربار سے لایا تھا۔ تمہارا نام کیا ہے"

تب جادوگرنی نے بتایا کہ میرا نام شمسی جادوگرنی ہے اور میں چٹان جادوگر کی بہن ہوں"

تب عمرو عیار نے کہا:

"اوہو! مجھے پتہ نہیں تھا۔ میں نے تمہیں پہلے۔ن نہیں دیکھا تھا"

جادوگرنی نے حیرانی کے ساتھ کہا:

"میں تو اکثر یہاں آتی رہتی ہوں مگر تمہیں یہاں کبھی نہیں دیکھا جبکہ چٹان جادوگر کے تمام دوستوں کو میں جانتی ہوں"

ابھی یہ الفاظ پورے نہیں ہوئے تھے کہ جادوگرنی گری اور بے ہوش ہو گئی۔ دراصل عمرو نے اسے پھول دے دیا تھا جس کو اس نے سونگھا تھا اور پھر بے ہوش ہو گئی۔

عمرو عیار جلدی سے اُسے وہیں چھوڑ کر باہر کی طرف بھاگا اور تمام مکان کی تلاشی لی اور جب وہ تہہ خانے میں گیا تو وہاں کی دولت دیکھ کر اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور اُس نے تمام دولت اپنی زنبیل میں ڈالنی شروع کر دی۔ تمام دولت اکٹھی کر کے وہ باہر نکلا اور شمسی جادوگرنی کا روپ دھار کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور چٹان جادوگر اور چند سپاہی اُس کے ساتھ آئے۔ آگے شمسی جادوگرنی کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا تو جلدی سے عمرو نے کہا:

"چٹان بھیا! میں ابھی یہاں پہنچی ہوں تم کہاں گئے تھے؟"

تو چٹان جادوگر نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیا اور پوچھنے لگا کہ کیا تم واقعی ابھی ابھی آئی ہو تو شمسی جادوگرنی نے کہا:

"ہاں مگر جب میں آئی تھی تو ایک آدمی کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ عجیب سی شکل کا بوڑھا تھا"

اور اس کے بعد اُس نے عمرو کا نقشہ دہرانا شروع کر دیا۔ چٹان جادوگر یک دم چونک پڑا:

"کیا واقعی تم نے اُسے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تھا"

تو عمرو جو دراصل شمسی جادوگرنی کے روپ میں تھا، نے کہا:

"ہاں"......

اور پھر کہنے لگا:

"میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتی ہوں۔ اِن سپاہیوں کو ذرا باہر بھیجو"......

چٹان جادوگر نے اِن سپاہیوں کو باہر جانے کا حکم دیا اور پھر کہنے لگا:

"اب بتاؤ"......

تو عمرو کہنے لگا:

"دراصل میں آبِ حیات کا ایک پھول لائی تھی کہ جو سونگھ لیتا ہے اُسے کبھی کچھ نہیں ہوتا"

اور پھر عمرو نے ایک پھول چٹان جادوگر کی طرف بڑھا دیا۔ چٹان جادوگر نے جونہی پھول سونگھا وہ بے ہوش ہو گیا تو جلدی سے عمرو نے اپنی شکل پر چٹان جادوگر کا روغن ملا اور پھر اُس کی شکل پر عمرو کا روغن ملا اور پھر باہر آ کر سپاہیوں کو چٹان جادوگر کی آواز میں پکارا:

"عمرو کو میں نے گرفتار کر لیا ہے۔ وہ اندر چھپا ہوا تھا۔ میں نے اِسے بے ہوش کر دیا ہے"

اور پھر اُن سے پوچھنے لگا کہ:

"عمرو کو کس میں لے کر جانا ہے"

تو انہوں نے ایک پنجرہ آگے کر دیا۔عمرو کہنے لگا:

''تم یہاں ٹھہرو۔میں لے کر آتا ہوں۔تم سے عمرو کہیں عیاری نہ کر جائے۔''

اور اندر جا کر چٹان جادوگر کی زبان پر ایک سوئی چبھو دی اور اُسے پنجرے میں بند کر کے سپاہیوں کو بھیج دیا اور پھر سیدھا شمسی جادوگرنی کے گھر گیا اور اُس کا گھر اچھی طرح لوٹ لیا۔شمسی جادوگرنی سے اُس نے اُس کے گھر کا پتہ معلوم کر لیا تھا اور پھر واپسی کیلئے بھاگ پڑا۔

اُدھر جب سپاہی پنجرہ دربار میں لے کر گئے تو ہر کوئی بے چین تھا۔جب عمرو کو قید میں دیکھا تو سب کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی تو افراسیاب نے کہا:

''تو بولو عمرو،اب تمہاری اوقات کیا ہے''

افراسیاب نے کہا:

''شاید یہ بے ہوش ہے''

اُس پر ایک خاص قسم کا پانی ڈالا گیا تو چٹان جادوگر ہوش میں آ گیا۔افراسیاب نے پوچھا:

''اب عمرو بتاؤ کہ کہاں رہ گئی تمہاری عیاری ومکاری''

مگر چٹان جادوگر چپ بیٹھا رہا اور افراسیاب کو غصہ آ گیا کہ یہ اب شرمندگی کے مارے بول نہیں رہا اور ہماری حکم عدولی کر کے ہمیں غصہ دلا رہا ہے۔اس نے میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔اِس کو شہر کے بڑے دروازے پر لٹکا دیا جائے۔سپاہی چٹان جادوگر کو لے گئے اور اِس کے بعد افراسیاب نے اپنے تجسس کو ختم کرنے کیلئے کتاب سامری کھول کر پڑھی تو سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔اس میں لکھا تھا کہ:۔

''وہ چٹان جادوگر ہے جو شہر کے دروازے پر لٹکایا گیا ہے اور عمرو تو طلسم ہوشربا سے کافی دُور نکل گیا ہے''

لطیفہ

ایک پاگل دوسرے سے:''آج کیا تاریخ ہے؟''

دوسرا پاگل:''آج تو بدھ ہے''

پہلا پاگل:''ارے میں نے تم سے تاریخ پوچھی ہے تو تم مجھے دن بتا رہے ہو''

مرسلہ:حسنین عادل ملتان

تیسری آنکھ

تحریر: پروفیسر محمد ظریف خان

ریاض سکول سے چھٹی پا کر اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ ڈاکیے نے اُس کو آواز دے کر روکا اور اپنے تھیلے میں سے ایک پارسل نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا:

"میاں ریاض! آپ کے نام پارسل ہے"

ریاض نے تعجب سے ڈاکیے کو دیکھتے ہوئے یہ

پارسل لے لیا جو ایک چھوٹا سا ڈبہ تھا اور اُس پر لپٹے ہوئے کاغذ پر بیچ اُسی کا نام لکھا ہوا تھا۔ ٹکٹ لگے ہوئے تھے اور اِن ٹکٹوں پر مہریں بھی لگی ہوئی تھیں۔ وہ ابھی حیران ہی تھا کہ اُس کو یہ پارسل کس نے بھیجا ہے کہ ڈاکیے نے رسید اُس کے سامنے بڑھاتے ہوئے کہا:

"اِس پر دستخط کر دیجیے ریاض میاں"

ریاض نے رسید پر دستخط کیے اور اِس پارسل کو چاروں طرف سے گھما پھرا کر دیکھتا ہوا وہ گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ مگر اندر جاتے جاتے ایک مرتبہ اُس کو خیال آیا کہ نہ جانے اِس پارسل میں کیا ہو۔ ممکن ہے کہ کسی ہم جماعت نے مذاق کیا ہو۔ نہ جانے کیا چیز بھیج دی ہو جسے دیکھ کر ابا جان یا امی جان ناراض ہوں یا بھائی جان اور باجی وغیرہ مذاق اُڑائیں۔

اِس خیال کے آتے ہی وہ بجائے گھر کے اندر جانے کے بیٹھک کے کمرے میں چلا گیا اور اُس نے وہ پارسل کھولنا شروع کیا۔ جس وقت وہ یہ پارسل کھول رہا تھا اُس کی نظر بھیجنے والے کے نام پر پڑی۔ لکھا تھا مرسلہ: اندھا محتاج بابا۔ یہ نام دیکھ کر اُس کو پورا یقین ہو گیا کہ ضرور اُس کے کسی کلاس فیلو نے اُس سے مذاق کیا ہے اور وہ بہت خوش ہوا کہ اُس نے یہ پارسل یہاں اکیلے میں ہی کھولا ہے ورنہ سب اُس کی ہنسی اُڑاتے۔ اُس نے جلدی جلدی اِس ڈبے پر لپٹے ہوئے تمام کاغذ کھول کر اب جو ڈبہ کھولا تو اُس میں اُوپر ہی ایک خط رکھا ہوا تھا۔ اُس نے وہ خط پڑھنا شروع کیا۔

"ننھے میاں! جیتے رہو۔ تم مجھ کو نہیں جانتے مگر تم نے مجھے دیکھا ضرور ہے اور میں نے تم کو دیکھا تو نہیں مگر جانتا ضرور ہوں کہ تمہارا نام ریاض ہے اور تم ایک شریف بچے ہو۔ اچھا اب میں تم کو یاد دلاتا ہوں کہ تم نے مجھ کو کب اور کہاں دیکھا ہے۔ آج سے چار دن پہلے جب تم سکول سے چھٹی پا کر دوسرے لڑکوں کے ساتھ گھر جا رہے تھے تو تم کو ایک اندھا فقیر ملا تھا جس نے آواز لگائی تھی: "اندھا محتاج بابا" تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اِس آواز کی نقل اُتاری تھی۔ ایک لڑکے نے میرے ہاتھ پر ایک ٹھیکری رکھ دی تھی اور دوسرے لڑکے نے میری لاٹھی پکڑ کر میرا رُخ ایک کھڈ کی طرف کر دیا تھا کہ اگر میں اِسی طرح چلتا رہتا تو میں کھڈ میں گر سکتا تھا مگر تم دوسرے تھے اور میرا رُخ اُس کھڈ کی طرف سے پھیر کر میرے ہاتھ پر وہ روپیہ بھی رکھ دیا تھا جس سے تم نے آئس کریم کھائی تھی۔ میں نے تمہارے لئے اُسی وقت طے کر لیا تھا کہ تم کو ایک تحفہ دوں گا اور آج وہ تحفہ بھیج رہا ہوں۔

یہ ایک آنکھ ہے۔اِس کو بڑی حفاظت سے رکھنا۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے۔اِس سے تم کو وہ سب کچھ نظر آئے گا جو تم دیکھنا چاہو گے۔جو تمہاری یہ دونوں آنکھیں نہ دکھا سکیں گے جو تمہارے پاس موجود ہیں۔مجھ اندھے کا یہ تحفہ تمہارے بہت کام آئے گا۔

تمہارا دوست

اندھا محتاج بابا

ریاض نے یہ خط پڑھا اور خط پڑھ کر اُس کو بڑی ہنسی آئی کہ اُس کے کسی شریر ساتھی نے اُس سے مذاق کیا ہے۔اُس نے کاغذ کی باریک کترنیں ہٹا کر دیکھا تو واقعی ایک چمک دار آنکھ ڈبے میں موجود تھی۔ریاض کو ابھی ہنسی آئی کہ بکری وکری تو نہ سہی ان شریر ساتھیوں نے تو بکری وکری کی ایک آنکھ نہ جانے کہاں سے لے کر اُس کو بھیج دی ہے۔اُس نے ڈبے کو اُلٹ کر آنکھ اپنی ہتھیلی پر لے لی تو اُس کو حیرانی ہوئی کہ یہ کسی مردہ جانور کی آنکھ نہیں بلکہ کسی بھاری سے پتھر یا کسی دھات کی بنی ہوئی ہے اور اب جو اُس نے اُس آنکھ کو اپنی آنکھ کے قریب لا کر دیکھا تو اُسے یہ معلوم ہوا کہ جیسے وہ اِس کمرے میں نہیں بلکہ کسی ٹیلے پر کھڑا سارے شہر کی سیر کر رہا ہے۔اُس نے دیکھا کہ سامنے سڑک پر کاریں اور موٹر سائیکلیں چل رہی ہیں۔ راہگیر آ جا رہے ہیں،سڑک کے کنارے دکانیں لگی ہیں۔اُس نے گھبرا کر آنکھ اپنی آنکھ سے ہٹا دی تو پھر وہ اِسی طرح دیواروں سے گھرے ہوئے کمرے میں تھا۔اُس نے اُس طرف سے اپنا منہ موڑ کر گھر کی طرف کیا اور اپنی آنکھ کے سامنے وہ آنکھ لگا کر دیکھا تو دیکھتا کیا ہے کہ سامنے ہی ابا جان بیٹھے خضاب لگا رہے ہیں۔سامنے تخت پر بیٹھی اماں جان چھالیہ کاٹ رہی ہیں۔باجی سلائی کڑھائی میں مصروف ہیں۔غرض یہ کہ اُس نے اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے گھر کی چاروں طرف تلاشی لے لی۔اُس نے تعجب سے اُس آنکھ کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا مگر وہ اُس کو سوائے ایک چھوٹی سی وزنی آنکھ کے کچھ نظر نہ آئی۔اُس نے اُس آنکھ کو ایک مرتبہ پھر اپنی آنکھ کے قریب لا کر چھت کی طرف دیکھا تو اُس کی نظر چھت کے اُس پار جا پہنچی اور وہ بجائے چھت کے نیلا آسمان دیکھ رہا تھا جس پر کہیں کہیں بادلوں کے ٹکڑے تھے۔اتفاق سے اُسی وقت ایک ہوائی جہاز گزرا اور اُس نے نہ صرف ہوائی جہاز دیکھا بلکہ اُس کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ بھی اُس کو صاف نظر آئے کہ وہ کرسیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔کوئی پڑھ رہا ہے،کوئی کسی سے باتیں کر رہا ہے۔کوئی کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھ رہا ہے۔اُس نے آج تک

کسی ہوائی جہاز کے مسافر اُڑتے ہوئے جہاز کے اندر اِس طرح نہ دیکھے تھے۔ وہ رہ رہ کر تعجب کرتا اور حیران ہوہو کے اُس آنکھ کو دیکھ رہا تھا کہ اُس کو کمرے کے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اُس نے جلدی سے وہ آنکھ اپنی آنکھ کے سامنے لاکر اِسی طرف دیکھا تو دیوار کے اُس پار اُس کو اپنے بھائی جان اِسی کمرے میں آتے نظر آگئے۔ اُس نے وہ آنکھ جیب کے اندر رکھ لی اور کمرے سے اِس بے پروائی کے ساتھ باہر نکل آیا جیسے کوئی خاص بات نہ ہوئی ہو۔

بھائی جان نے اُس کو کمرے سے نکلتا ہوا دیکھ کر اُسے کہا:

"ارے ریاض تم یہاں تھے اِس کمرے میں۔ بھلا یہاں کیا کررہے تھے اکیلے؟"

ریاض نے بڑی بے پروائی سے جواب دیا:

"کچھ بھی نہیں' سکول سے واپس آیا تو میں نے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھا تو سمجھا کہ شاید کوئی ہوگا کمرے میں"

ریاض نے باہر آ کر جلدی جلدی کھانا کھایا اور ٹائی لے کر اپنا کوٹ پہنا اور کتابوں کی الماری سے وہی آنکھ نکال کر جیب میں رکھلی۔ اُس کو آج بڑی جلدی تھی باہر جانے کی کہ کسی طرح سے گھر سے نکلے اور اِس آنکھ سے طرح طرح کے تماشے دیکھے۔ امی نے کہا کہ ابھی ابھی سکول سے آئے ہو، دو گھڑی آرام کرلو، پھر کھیلنے جانا مگر اُس نے ہاکی میچ کا بہانہ کرکے باہر جانے کی ٹھانی۔

گھر سے نکل کر بجائے کھیل کے میدان میں جانے کے بازار کا رُخ کیا۔ بات یہ تھی کہ اِس آنکھ کے مل جانے کے بعد آج اُس کو ایک نئی ترکیب سوجھی تھی کہ سینما دیکھنے کیلئے اُس کو ابا جان یا امی جان مہینے میں صرف دو مرتبہ اجازت دیتے تھے اور پیسے بھی۔ اُس نے سوچا کہ آج اِس آنکھ سے مفت سینما دیکھنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ وہ سیدھا سینما ہال پہنچا جہاں ٹکٹ خریدنے والوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ ہال کے اندر سے فلمی گانوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ ہال کے اندر روشنی تھی اور تماشائیوں کی ملی جلی آوازوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ اُس نے امتحان کرنے کیلئے چپکے سے وہ آنکھ نکالی اور باہر ہی کی دیوار کی طرف منہ کرکے اپنی آنکھ کے سامنے اِس آنکھ کو لاکر دیکھا۔ اُسے ہال کے اندر کی ہر چیز صاف دکھائی دے رہی تھی۔ غرض اُس نے ایک پیسہ خرچ کئے بغیر ساری فلم دیکھ لی۔ اِس طرح اِس آنکھ سے اُس نے جی بھر کے کئی فلمیں دیکھ لیں مگر کچھ دن بعد میں وہ اِن

کھیل تماشوں سے اُکتا گیا اور اُس کو خود ہی یہ خیال آیا کہ اگر میں یہ کھیل تماشے ہی دیکھتا رہوں گا تو پڑھوں گا کیا خاک اور پڑھوں گا نہیں تو پاس کیسے ہوں گا۔ ایک خیال اُس کو یہ بھی آیا کہ اگر اس آنکھ سے مدد لی جائے تو امتحان میں پاس ہونا کچھ مشکل تو نہیں۔ جب سکول ماسٹر صاحبان امتحان کے پرچے بناتے ہیں، اس آنکھ کی مدد سے وہ پرچے میں پڑھ کر پہلے ہی معلوم کر سکتا ہوں۔ مگر پھر اُس کو خود ہی خیال آ گیا کہ اِس طرح کے پاس ہونے سے آخر کیا فائدہ ہے۔ رہیں گے جاہل کے جاہل۔ اس لئے اُس نے آنکھ کو چھپا کر رکھ دی اور پڑھنے میں جی لگانے لگا اور امتحان کی تیاری کرنے لگا۔

اُس نے امتحان کی پوری تیاری کی تھی۔ اِس لیے وہ اچھے نمبروں سے پاس ہو گیا تو اُس کے ابا جان نے گرمیوں کی چھٹیوں میں اُسے پہاڑ پر جانے کی منظوری دے دی کہ اتنے دن تم نے پڑھنے میں محنت کی ہے، اب کچھ دن پہاڑ پر جا کر سیر سپاٹا کر لو۔ ساتھ ہی ساتھ پڑھتے بھی رہو۔ ریاض کیلئے سب سے بڑا انعام یہی تھا۔ اُس کو ہمیشہ پہاڑ پر جانے کی بڑی خوشی ہوتی تھی۔ وہ ہر سال پہاڑ پر جا کر دو مہینے بڑے مزے سے گزارا تھا۔ سوائے اب سے دو سال پہلے کہ جبکہ وہ فیل ہو گیا تھا اور ابا جان نے اُس کو یہ انعام نہیں دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پہاڑ پر جانے کے شوق میں بڑی محنت سے امتحان کی تیاریاں کرتا تھا کہ پاس ہو جائے اور اُس کو پہاڑ پر جانے کا موقع مل جائے۔ اُسے کاغان بہت پسند تھا۔ جانے کو تو وہ مری بھی گیا اور سوات بھی مگر جانے کیا بات تھی کہ اُسے کاغان سے زیادہ کوئی پہاڑ مقام پسند نہ تھا۔ اِس مرتبہ ابا جان نے اُس کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ جہاں جی چاہے جائے۔

اُس کے بھائی جان نے مری جانے کو کہا مگر ابا جان، امی جان نے اُس کی رائے سے اتفاق کیا کہ وادی کاغان چلنا چاہیے۔ کاغان میں اُن کے رہنے کیلئے جھیل کے کنارے بھی ایک خوبصورت ریسٹ ہاؤس مل گیا جس میں یہ سب بڑے آرام سے رہنے لگے اور رہنے کیا لگے بس یہ کہ چند لمحوں کو رات کو سونے کیلئے یا کھانوں اور ناشتے کے وقت سب جمع ہو جاتے تھے ورنہ کوئی کسی طرف کو نکل جاتا تھا اور کوئی کسی اور طرف۔ بھائی جان کو اور کچھ نہیں کرائے کے گھوڑے دوڑانے کا شوق تھا۔ امی جان اپنا وزن کم کرنے کیلئے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر چڑھ کر اپنا سانس پھلایا کرتی تھیں۔ ابا جان پگڈنڈیوں سے ہوتے ہوئے کسی سنسان جگہ کی طرف نکل جاتے تھے اور نہ جانے وہاں بیٹھ کر کیا سوچا کرتے تھے۔

ریاض امی جان کے ساتھ جانے سے اِس لئے گھبراتا تھا کہ وہ ہر دس قدم کے بعد بیٹھ کر ہانپا کرتی تھیں اور اُس کو دُور دُور جا کر لوٹنا پڑتا تھا۔ ابا جان کے ساتھ جانے میں اُس کو یہ اُلجھن ہوتی تھی کہ وہ آج اِس پہاڑی پر چڑھ گئے اور وہاں بیٹھے ایک پتھر کو اُٹھا اُٹھا کر نہ جانے کیا غور سے دیکھا کرتے تھے۔ کل دوسری پہاڑی پر چڑھ گئے اور اُوپر چلنا شروع کر دیا۔ وہاں بھی پتھروں کو غور سے دیکھنے کیلئے۔ آخر ایک دن اُس نے عاجز ہو کر ابا جان سے پوچھ ہی لیا:

"ابا جان! ان پتھروں میں آپ کیا دیکھتے ہیں آخر؟"

ابا جان نے جیسے کسی گہرے خیال سے چونکتے ہوئے کہا:

"پہاڑوں میں بڑے بڑے راز چھپے ہوئے ہیں۔ اِن پہاڑوں اور ان چٹانوں میں عجیب عجیب خزانے موجود ہیں۔ اِن پہاڑوں کے اندر ایک مرتبہ مجھے اِن میں سے کسی پہاڑی پر کچھ چمکدار قسم کے ذرّے نظر آتے تھے اور جب میں نے اُنہیں غور سے دیکھا تو وہ سونے کے ذرّے نکلے تھے۔ اِس کا مطلب ہے کہ سونے کی کان ہے ضرور یہاں کہیں"......

ریاض نے بڑے شوق سے پوچھا:

"وہ کونسی پہاڑی تھی ابا جان؟"

اُنہوں نے جواب دیا:

"پہاڑی تو یہی تھی مگر اب ذرّے نظر نہیں آتے۔ یا تو میں وہ جگہ بھول گیا ہوں یا وہ ذرّے غائب ہو گئے ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ وہ ذرّے کی کان یہاں یا اس کے آس پاس ہے ضرور؟"

ریاض نے کہا:

"آپ کو یقین ہے، کھدائی شروع کرا دیجئے"

ابا جان نے ہنس کر کہا:

"بچپن کی باتیں مت کرو بیٹا۔ خواہ مخواہ ابھی کھدائی شروع کرا دوں؟ پتہ تو چلے پہلے کہ وہ خاص جگہ ہے کونسی اور کوئی جگہ ہے بھی یا صرف میرا اہم ہے"

ریاض نے کہا:

"مگر ابا جان! آپ تو کہتے ہیں کہ آپ کو سونے کے ذرّے ملے تھے"

ابا جان نے کہا:

"ملے تو تھے مگر اب نہیں ملتے۔ میں کئی سال سے یہاں آ رہا ہوں اور تلاش میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرتا ہوں مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلتا"......

ریاض اُس وقت تو ابا جان کے ساتھ واپس آ گیا اور گھر پہنچنے میں اُسے کافی دیر لگی۔ اس لئے کہ جس چوٹی پر ابا جان اُسے لے گئے تھے وہ آبادی سے ذرا دور تھی اور بہت چڑھائی پر تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گھر پہنچتے پہنچتے تھک کر چور ہو گیا۔ امی جان اور ابا جان میں بھی خاصی لڑائی ہوئی۔ امی کہنے لگیں:

"ڈھونڈ آئے سونے کی کان، دن بھر غائب رہ کر"

ابا جان تھکے ہوئے تو تھے ہی چڑ کر بولے:

"تم کو اپنے اِن ہی طعنوں سے کام ہے۔ دن بھر کے بعد گھر آؤ تو صاحب یہ طعنے سنو"

"دنیا آتی ہے پہاڑوں پر سیر و تفریح کرنے اور وہ آتے ہیں سونے کی کان تلاش کرنے اور میں دن بھر اکیلی پڑی رہتی ہوں۔ آج صاحبزادے کو بھی لے کر غائب ہو گئے کہ بالکل نکل ہی نہ سکوں گھر سے۔ میرے لئے تو اچھا خاصا جیل خانہ بن کر رہ گیا ہے گھر"

ابا جان نے جل کر کہا:

"کیا کروں میں تمہارے ساتھ پھرا کروں اور لوگوں کی فقرہ بازیاں سنا کروں اُس روز گیا تو تھا تمہارے ساتھ۔ ایک صاحب نے میری طرف انگلی اُٹھا کر کہا:

"دوا کھانے سے پہلے اور پھر تمہاری طرف انگلی اُٹھا کر کہا: "دوا کھانے کے بعد" آگے بڑھے تو ایک بدتمیز نے اپنے دوست سے تم کو دیکھ کر کہا: "اماں دیکھ رہی ہو۔ پہاڑ پر پہاڑی رینگ رہی ہے"

اب امی جان کا پارہ چڑھ گیا۔

"میں خود اِس موٹاپے سے عاجز ہوں مگر موٹاپا چھوڑے تو سہی۔ نہ گھومنا نہ پھرنا۔ بڑے صاحبزادے میں وہ ساتھ لے بھی جائیں تو دس گز دور ہی رہتے ہیں کہ کہیں کوئی مجھ کو اُن کی خالہ نہ کہہ دے"

اگلی صبح ریاض نے ناشتہ کیا اور اس سے پہلے کہ اُس کو کسی ڈیوٹی پر لگا دیا جائے وہ کھسک گیا اور پہنچا سیدھا اُس چوٹی پر جہاں اُس کے ابا جان بیٹھے پتھروں کو غور سے دیکھا کرتے تھے۔ اُس نے دراصل رات ہی کو طے کر لیا تھا کہ اب وہ یہاں اکیلا آئے گا اور اس آنکھ سے کام لے گا۔

ریاض نے کل ہی وہ جگہ اچھی طرح دیکھ لی تھی جہاں اُس کے ابا جان گئے تھے۔ ریاض نے وہاں پہنچتے ہی اِدھر اُدھر دیکھ کر جب ہر طرح اپنا اطمینان کر لیا تو وہ آنکھ جیب سے لگا کر اس چٹان کو جو غور سے دیکھا تو اُس کو عجیب عجیب چیزیں نظر آئیں۔ اُس نے دیکھا کہ اس

چٹان کی بہت ہی گہرائی میں پانی چمک رہا ہے مگر پانی سے اوپر خشکی کا جو حصہ ہے اُس میں طرح طرح کی زمین کی تہیں موجود ہیں۔ کچھ دُور تک تو سخت پتھر ہیں۔ اس کے بعد کائی سی تہہ ہے۔ اس کے بعد کچھ بھوری تہہ ہے اور اُس میں کچھ چمک سی ہے۔ اُس نے اِس چمک کو بڑے غور سے دیکھا اور اُس کو رفتہ رفتہ یقین ہوتا چلا گیا کہ وہ سونے کی کان یہی ہے جسے ابا جان تلاش کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ اُس نے وہ آنکھ اپنی آنکھ کے سامنے سے ہٹا کر اُس جگہ پر نشان لگا دیا۔ اس طرح ریاض نے تیسری آنکھ سے سونا تلاش کر ہی لیا۔۔۔!

انمول موتی

☆ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے۔

☆ کسی انسان کے دل میں ایمان اور حسد اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

☆ حتی المقدور ہر ایک سے نیکی کرو خواہ نیک ہو یا بد۔

☆ حلال اشیاء میں سے جو چاہو کھاؤ اور پہنو لیکن دو چیزیں نہ ہوں' اسراف اور تکبر۔

☆ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اُسے کہہ دو کہ پڑوسی کی عزت کرے۔

☆ پیٹ سے بڑھ کر کوئی بدترین برتن نہیں ہے۔

☆ اللہ احسان کرنے والوں کو اپنا دوست رکھتا ہے۔

☆ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

☆ نہ تم ظلم کرو اور نہ ہی تم پر کوئی ظلم کیا جائے گا۔

مرسلہ: فیصل وحید، لاہور

خونی کھوپڑی

فرزانہ مخدوم ناز

پیارے بچو! کسی گاؤں میں چار دوست رہتے تھے۔ ایک کا نام عارف، دوسرے کا جاوید، تیسرے کا آصف اور چوتھے کا زبیر تھا۔ ان چاروں دوستوں میں بہت محبت تھی۔ چاروں دوست ایک دوسرے پر جان دینے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ اتفاق سے چاروں ہی دوست غریب تھے۔

ایک دن عارف نے تمام دوستوں سے کہا کہ ہم شہر جا کر قسمت آزمائی کریں۔ تینوں دوستوں کو عارف کا یہ مشورہ پسند آیا۔ سب دوستوں نے شہر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

جس گاؤں میں وہ رہتے تھے یہ گاؤں پہاڑیوں کے دامن میں واقع تھا۔ اس لئے شہر جانے کیلئے مسلسل سفر کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے چاروں دوستوں نے اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان بھی رکھ لیا اور شہر کیلئے روانہ ہو گئے۔

پہلا دن تو آرام سے گزر گیا حالانکہ موسم خراب تھا۔ سخت سردی پڑ رہی تھی۔ دوسرے دن اچانک برف باری شروع ہو گئی اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔ چاروں دوست بہت پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ اس موسم میں شہر نہیں جانا چاہیے تھا۔

جاوید نے کہا:

"اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو ہم گھر سے کافی دور آ گئے ہیں"......

عارف نے کہا:

"دوستو! اب ہمیں اپنی جان بچانے کیلئے کہیں جگہ تلاش کرنی چاہیے کیونکہ ایسے موسم میں سفر کرنا موت سے کم نہیں"......

چاروں دوستوں نے پناہ حاصل کرنے کیلئے جگہ تلاش کرنی شروع کی۔ جگہ تلاش کرتے کرتے انہیں ایک غار نظر آیا۔ چاروں دوست اس غار میں چلے گئے۔ غار میں جا کر انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ یہ غار چند پہاڑوں سے مل کر بنا ہوا تھا۔ اندر سے بہت پراسرار لگ رہا تھا۔ زبیر نے کہا:

"مجھے تو یہ کوئی بھوت پریت کا مقام لگ رہا ہے"......

عارف نے کہا:

"اب تو کچھ بھی ہو اللہ مالک ہے"

یہ کہہ کر چاروں دوست چل پھر کر غار کو دیکھنے لگے۔ ایک جگہ غار میں ایک مٹی کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔ سب دوست مجسمے کو غور سے دیکھ رہے تھے کہ اچانک زبیر کی نظر کونے میں پڑے ہوئے لکڑی کے ایک صندوق پر پڑی۔ صندوق میں تالا وغیرہ کچھ نہیں پڑا تھا۔ بس ایسے ہی کنڈی لگی ہوئی تھی۔ چاروں دوست بہت حیران ہوئے کہ اس ویران جگہ پر یہ صندوق کہاں سے آیا۔

عارف نے کہا:

"کیوں نہ اسے کھول کر دیکھا جائے کہ اس میں

کیا ہے؟"

آصف نے کہا:

"ایسا نہ ہو کہ ہم اِسے کھول کر کسی اور مصیبت میں گرفتار ہو جائیں"

عارف نے کہا:

"نہیں دوستو! میں اِسے ضرور کھولوں گا کیونکہ وہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا"

یہ کہہ کر عارف نے صندوق کا دروازہ کھول لیا۔ دروازہ کھلتے ہی اُس کی چیخ نکلتے نکلتے بچی کیونکہ اس صندوق میں ایک عورت کا کٹا ہوا سر رکھا ہوا تھا۔ یہ کھوپڑی کسی خوبصورت عورت کی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اِس کھوپڑی کی آنکھیں حرکت کر رہی ہوں۔ عارف نے اِس بات کو اپنا خیال تصور کرتے ہوئے ذہن سے جھٹک دیا۔ کھوپڑی کے پاس ہی ایک سونے کی اینٹ اور موتیوں کی مالا رکھی ہوئی تھی۔ عارف نے ہمت کر کے سونے کی اینٹ صندوق میں سے نکال لی۔ سونے کی اینٹ دیکھ کر چاروں دوست بہت خوش ہوئے۔ عارف نے کہا:

"شہر جا کر یہ اینٹ ہم آپس میں بانٹ لیں گے"

باقی تینوں نے اُس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

عارف نے موتیوں کی ایک مالا خود پہن لی اور ایک زبیر کے گلے میں ڈال دی کیونکہ آصف اور جاوید نے مالا پہننے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر ان سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد سب آرام کرنے کیلئے لیٹ گئے۔ چونکہ چاروں دوست دو دن کے تھکے ہوئے تھے، اس لئے اُنہیں جلدی ہی نیند آ گئی۔

صبح جب زبیر کی آنکھ کھلی تو کافی دن چڑھ چکا تھا۔ اُس نے اپنے تینوں دوستوں کو اُٹھانے کیلئے اُن کی طرف دیکھا تو اُن کا ایک ساتھی آصف غائب تھا۔ زبیر نے جلدی سے عارف اور جاوید کو اُٹھایا۔ تینوں نے باہر نکل کر دیکھا کہ شائید برف باری بند ہوگئی ہو اور وہ باہر چلا گیا ہو مگر باہر بھی آصف کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔ اچانک عارف کی نظر سونے کی اینٹ پر پڑی جس کا ایک کونا غائب تھا۔ اینٹ کا کونا غائب دیکھ کر عارف نے کہا:

"مجھے لگتا ہے کہ وہ اپنا حصہ لے کر چلا گیا ہے۔ شاید اِس کا ہم پر سے اعتماد اُٹھ گیا ہے"

مگر اُسے پھر بھی یقین نہیں آ رہا تھا کیونکہ آج تک اُنہوں نے کبھی ایک دوسرے کے خلاف کوئی بات دل تک میں نہیں سوچی تھی۔ زبیر نے کہا:

"عارف! مجھے یقین نہیں آرہا، بھلا اس خراب موسم میں وہ کہاں جاسکتا ہے"

اچانک جاوید نے کھوپڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"اِس کھوپڑی کی آنکھوں کی طرف دیکھو، کتنی سرخ ہیں حالانکہ کل اُس کی آنکھوں میں چمک محسوس ہوئی تھی"

جاوید نے کہا:

"مجھے تو اِس غار اور اِس کھوپڑی سے خوف آرہا ہے۔ جیسے بھی ہوسکے یہاں سے جلد نکلنے کی کوشش کرو"

عارف نے کہا:

"یار! خوف تو مجھے بھی محسوس ہورہا ہے مگر ابھی ہم کیسے جاسکتے ہیں۔ باہر برف باری ہورہی ہے۔ آج کی رات اور گزار لیتے ہیں۔ شائید کل تک برف باری بند ہوجائے"

اسی طرح باتیں کرتے کرتے اُنہیں رات ہوگئی۔ تینوں دوست آرام سے سوگئے۔ رات کے وقت عارف کی کسی چیز کی چرچراہٹ سے آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی اُس نے ایک خوفناک منظر دیکھا۔ خوف کی وجہ سے اُس کا سانس تک رکنے لگا مگر پھر اُس نے ہمت سے کام لیا اور خود پر قابو پالیا کہ کہیں کھوپڑی کو یہ محسوس نہ ہوجائے کہ وہ جاگ رہا ہے۔ اُس نے دیکھا کہ کھوپڑی صندوق میں سے اُڑتی ہوئی نکلی اور جاوید کے پاس جاکر رک گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کھوپڑی کی گردن اور دانت خوب لمبے ہوگئے۔ اِس کھوپڑی نے اپنے لمبے لمبے دانت جاوید کی گردن پر گاڑ دیئے۔ کھوپڑی کو خون کرتا دیکھ کر عارف سمجھ گیا کہا آصف کہیں گیا نہیں بلکہ وہ بھی اِس کھوپڑی کی خوراک بن گیا ہے۔ خون پی کر کھوپڑی نے جلدی جلدی جاوید کا گوشت کھانا شروع کردیا۔

تھوڑی دیر میں وہ جاوید کی پوری لاش کو چٹ کرگئی۔ جاوید کو کھانے کے بعد کھوپڑی پھر ہوا میں اُڑی اور صندوق میں اُسی طرح جاکر بیٹھ گئی جس طرح وہ پہلے ہوئی تھی۔ اتنا خوفناک منظر دیکھ کر عارف کی آنکھوں سے نیند کوسوں دُور ہوگئی تھی مگر باقی رات اُس نے ایسے ہی آنکھیں بند کرکے گزاری۔

صبح ہوتے ہی اُس نے جلدی سے زبیر کو اُٹھایا اور تمام واقعہ اُس کو سنادیا جو اُس نے رات کو دیکھا تھا۔ ساری باتیں سن کر زبیر بھی بہت خوف زدہ ہوا مگر پھر بھی اس کا اظہار نہ کیا کہیں کھوپڑی کو پتہ نہ چل جائے۔

عارف نے کہا:

"چلو زبیر! یہاں سے چلتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اب

ہم میں سے کوئی اس کی خوراک بن جائے"......

زبیر نے کہا:

"چلو اور وہ سونے کی اینٹ بھی ساتھ لیتے چلیں۔ اپنے کام آئے گی مگر جب اُنہوں نے اینٹ کی طرف دیکھا تو وہ آدھی رہ گئی تھی۔ عارف نے کہا:

"مجھے تو یہ اینٹ بھی جادو کی لگتی ہے۔ اس کو یہیں پر چھوڑ دو اور بس یہاں سے نکلنے کی فکر کرو"

مگر اب اُنہوں نے شہر جانے کا ارادہ بدل دیا کیونکہ شہر جانے ہی کی خاطر اُن کے دو دوست خونی کھوپڑی کی خوراک بن چکے تھے۔ دونوں دوست باہر نکلے۔ دو دن سفر کے بعد وہ لوگ واپس گاؤں آ گئے۔ گاؤں آ کر عارف نے کہا:

"یار کوئی ایسی تدبیر سوچو کہ ہم اُس خونی کھوپڑی سے اپنے دوستوں ساتھیوں کا بدلہ لے سکیں"

زبیر نے کہا:

"یار! وہ ایک بلا ہے۔ بھلا ہم اُس بلا سے کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ گاؤں آ کر بھی اُنہیں ایسا لگتا تھا جیسے وہ کھوپڑی اُن کے کہیں آس پاس موجود ہو۔ وہ دونوں دوست ہر وقت پریشان رہنے لگے۔

ایک دن وہ دونوں سونے کی تیاری کر رہے تھے کہ اُنہیں ایک غیبی آواز آئی کہ:

"لڑکو! یہ مالا اپنے گلے سے اُتار دو نہیں تو میں تم دونوں کو کچا چبا جاؤں گی"

عارف نے ہمت کر کے پوچھا:

"اگر ہم یہ مالا اُتار دیں تو پھر تم ہمارے ساتھ کیا کرو گی؟"

آواز آئی:

"اگر تم نے واقعی یہ مالا اپنے گلے سے اُتار دی تو میں نہ صرف تمہاری جان بخش دوں گی بلکہ تمہیں مالا مال بھی کر دوں گی۔ اتنی دولت دوں گی کہ تم لوگوں سے سنبھالی نہیں جائے گی"

عارف نے کہا:

"تم ہمیں چار پانچ دن سوچنے کی مہلت دو۔ پھر ہم یہ مالا اُتار کر تمہیں دے دیں گے"

آواز نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ تم چار پانچ دن تک سوچ لو۔ میں جا رہی ہوں"

عارف نے کہا:

"زبیر! مجھے تو اس مالا میں ضرور کوئی راز معلوم ہوتا ہے"......

زبیر نے کہا:

"وہ کس طرح؟"

عارف نے کہا:

"دیکھو! اگر اُس نے ہمیں کھانا ہوتا تو بغیر بتائے کھا جاتی۔ دوسری بات یہ کہ وہ مالا اُتار دینے پر ہمیں بہت سی دولت دینے کا کہہ رہی ہو۔ اب تم خود سوچو کہ اس مالا میں ضرور کوئی خاص بات ہے کہ نہیں"

زبیر نے کہا:

"ہاں یہ واقعی تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پھر تو ہمیں یہ مالا گلے سے نہیں اُتارنی چاہیے"

باتیں کرتے کرتے دونوں دوست سو گئے۔ صبح دونوں کی آنکھ ایک فقیر کی صدا سے کھل گئی۔ پیارے بچو! سب دوستوں کا یہ اُصول تھا کہ چاہے اپنے کھانے کیلئے کچھ ہو یا نہ ہو مگر صبح جو فقیر بھی آتا تھا اُسے کھانے کو ضرور دیتے تھے۔ اس لئے فقیر کی صدا سن کر دونوں دوست جلدی جلدی اُٹھے اور رات جو کھانا رکھا ہوا تھا، اُس فقیر کو دے دیا۔ کھانا کھانے کے بعد فقیر کی جگہ ایک جن آ گیا۔ جن خوب لمبا تڑنگا تھا۔ اُس کے سر پر دو سینگ بھی تھے۔ چونکہ وہ دونوں فقیر کو گھر میں بلا کر کھلاتے تھے اسی لیے اب گھر میں جن کو دیکھ کر دونوں ہی ڈر کر کانپنے لگے۔

جن نے کہا:

"ڈرو نہیں میں تم دونوں کا دوست ہوں۔ میرا نام کھڑپ جن ہے۔ ملک پرستان کے بادشاہ نے مجھے سزا دینے کیلئے پرستان سے ایک سال کیلئے نکال دیا ہے۔ میں تین دن سے بہت بھوکا تھا۔ تم نے مجھے کھانا کھلا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ویسے تو میں کسی بھی چیز کا روپ دھار کر چیزیں چرا کر کھا لیتا مگر میں نے آج تک چوری نہیں کی۔ دو دن سے میں فقیر کا روپ دھار کر کھانے کیلئے مانگتا رہا مگر کسی نے بھی مجھے کھانے کو نہیں دیا۔ آج تم نے مجھے کھانا کھلایا ہے۔ اسی لئے میں تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں"۔۔۔۔

عارف نے کہا:

"جن بھائی! تم ہماری ایک مشکل حل کر دو"

یہ کہہ کر عارف نے اپنے ساتھ ہونے والی تمام باتیں جن کو بتا دیں۔ کچھ دیر تو کھڑپ جن چپ چاپ بیٹھا رہا، پھر بولا:

"وہ خونی کھوپڑی! ایک دیوی کی ہے۔ اس دیوی کا نام دیو مالا ہے۔ یہ دیوی کھوپڑی کا روپ دھار کر لوگوں کا خون پیتی ہے اور انسان ہی کا گوشت کھاتی ہے۔ دیوی اس غار میں رہتی ہے جس میں تم چاروں نے قیام

کیا تھا۔ اُس جگہ ایک سیاح بھی آ کر ٹھہرا تھا اور اُس سیاح نے غار میں ایک خوبصورت کھوپڑی دیکھی تو اُس نے اپنے ساتھ لانے کیلئے ایک صندوق میں اُسے رکھ لیا اور اُس غار میں جو مجسمہ ہے وہ اُس دیوی کا ہے۔ اُس مجسمے کے گلے میں یہ دونوں مالائیں پڑی تھیں۔ اُس نے مالا اُتار کر اُنہیں بھی صندوق میں بند کر دیا مگر اتفاق کی بات ہے کہ یہ سیاح جب واپس آنے لگا تو وہ صندوق لے جانا بھول گیا اور یہ کھوپڑی اُس صندوق میں قید ہو گئی اور پھر جب تم چاروں دوست وہاں گئے تو تم نے صندوق کھول کر اُسے آزاد کر دیا۔ آزاد کرتے ہی اُس نے تمہارے دوستوں کو اپنی خوراک بنا لیا"

عارف نے کہا:

"مگر ہم اب کیا کریں۔ اِس مالا کو اُتار دیں"

کھرپ جن نے کہا:

"نہیں تم یہ مالا اپنے گلے سے نہیں اُتارنا کیونکہ یہ جادو کی مالا ہے۔ جب تک تم یہ مالا پہنے رہو گے خونی کھوپڑی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی اور ہاں اب جب وہ آئے تو تم اُس سے کہنا کہ ایک شرط پر یہ مالا اُتاریں گے۔ پہلے تم ہمیں اپنی اصلی حالت میں آ کر دکھاؤ۔ وہ جیسے ہی اصلی روپ میں آئے گی میں اپنی تلوار سے اُس کی گردن اُڑا دوں گا اور پھر جیسے ہی میں اُسے ماروں گا تم دونوں اپنے گلے سے یہ مالائیں اُتار کر توڑ دینا کیونکہ اُس وقت تک اِس کی جان نہیں نکلے گی جب تک یہ مالا نہیں ٹوٹے گی"

خونی کھوپڑی کو ختم کرنے کی ترکیب سن کر عارف اور زبیر بہت خوش ہوئے اور اُنہوں نے جن کا شکریہ بھی ادا کیا۔ چوتھے دن وہ ہی آواز پھر آئی۔ عارف نے کہا:

"ہم ایک شرط پر مالا اُتاریں گے پہلے تم ہمیں اپنے اصلی روپ میں آ کر دکھاؤ"

خونی کھوپڑی نے اُن کی یہ شرط قبول کر لی اور اُن دونوں کے سامنے ایک عورت کھڑی تھی جس کی شکل بالکل اُس کھوپڑی کی طرح تھی۔ اُس کے لمبے لمبے بال آگے کی طرف بکھرے ہوئے تھے۔ دیکھنے میں ذرا بھی نہیں لگ رہا تھا کہ یہ خونی چڑیل ہے۔ اُدھر کھرپ جن نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی تلوار نکالی اور دیوی کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اُس کا سر علیحدہ ہوتے ہی عارف اور زبیر نے گلے سے مالائیں بھی توڑ ڈالیں۔ مالا کے ٹوٹتے ہی آواز آئی:

"ہاں اُنہوں نے مجھے دھوکے سے مار دیا"

اور اس آواز کے ساتھ ہی دیوی کے جسم میں آگ لگ گئی اور وہ جل کر راکھ ہو گئی۔

عید مبارک

سیویوں والی عید ہے آئی
خوشیوں کی اک لہر سی چھائی

بچے پیارے بھولے بھالے
عید کا جشن منانے والے

ستھرے ستھرے کپڑے پہنے
اچھے اچھے کھا کر کھانے

ہاتھوں میں لے کر غبارے
پھرتے ہیں سڑکوں کے کنارے

پُر رونق ہیں سب بازار
دور ہوئے ہیں سب افکار

ہر دل شاداں شاداں ہے
کیفِ رنگِ بہاراں ہے

ابو سے عیدی پائیں گے
سیر کو ہم سب جائیں گے

بنا ہُوا ہے گاؤں ڈنمارک
انجم سب کو عید مبارک

شاعر: ظفر محمود انجم

احمد فراز باجوہ

عقلمند وزیرزادہ

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے کہ کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اُس کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام طارق تھا۔ چونکہ شہزادہ طارق بادشاہ کی واحد اولاد تھی اس لئے بادشاہ اُسے بہت پیار کرتا تھا۔ بے جا لاڈ پیار سے اُس کی عادتیں بہت خراب ہوگئی تھیں۔ اُس نے نہ ہی کوئی علم سیکھا اور نہ ہی دوسرے شہزادوں کی طرح فوجی

تربیت حاصل کی۔ چونکہ وہ بادشاہ کی اکلوتی اولاد تھی۔ اِس لیے بادشاہ نے بھی اُس کی تعلیم و تربیت پر زیادہ توجہ نہ دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہزادہ طارق اتنا قابل نہ بن سکا کہ اپنے باپ کی حکومت کی باگ دوڑ سنبھال سکے۔ دوسری طرف وزیر کا بیٹا فیروز بہت قابل تھا۔ اُس نے پہلے سے علوم سیکھے اور فوجی تربیت بھی حاصل کی۔

جب بادشاہ بوڑھا ہو گیا تو بادشاہ نے سوچا کہ اب مجھے اپنے بیٹے کو بادشاہ بنا دینا چاہیے۔ دم کا کوئی پتہ نہیں کہ کس وقت ساتھ چھوڑ دے۔ پھر اُسے خیال آیا کہ وزیر کا بیٹا میرے بیٹے سے زیادہ ذہین اور چالاک ہے۔ کہیں وہ میرے بیٹے سے حکومت نہ چھین لے۔ اِس خیال کے آتے ہی بادشاہ نے سوچا کہ کسی طرح وزیر کے بیٹے کو قتل کر دینا چاہیے تاکہ بعد میں میرے بیٹے کی حکومت کو کوئی خطرہ نہ رہے۔

چنانچہ اگلے روز بادشاہ نے وزیر کو بلایا اور کہا:

''ایک ماہ کے اندر اندر تمہیں ایسا مکان بنانا ہو گا جو اُوپر سے شروع ہو اور نیچے آ کر ختم ہو۔ اگر تم نے ایک ماہ کے اندر اندر ایسا مکان نہ بنایا تو تمہارے بیٹے کو قتل کر دیا جائے گا''

وزیر بھی عقل مند تھا۔ اُس کو بادشاہ کے منصوبے کا پتہ چل گیا۔ وزیر نے التجا کرتے ہوئے کہا:

''حضور! ایسا تو ممکن نہیں ہے۔ بغیر دیواروں کے چھت اُوپر کیسے ٹھہر سکتی ہے''

''میں نہیں جانتا۔ مجھے مقررہ مدت تک ایسا مکان چاہیے ورنہ تمہارے بیٹے کی خیر نہیں''

بادشاہ نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''اچھا حضور! جیسے آپ کی مرضی''

یہ کہہ کر وزیر گھر چلا آیا۔ گھر آ کر اُس نے اپنے بیٹے کو بادشاہ کی چال کے متعلق بتایا اور کہا کہ:

''تم یہاں سے چلے جاؤ اور کبھی واپس نہ آنا۔ یہاں رہنے کی صورت میں بادشاہ تمہیں قتل کر دے گا کیونکہ میں بادشاہ کی شرط پوری نہیں کر سکتا''

فیروز کا گھر چھوڑنے کو جی تو نہیں چاہ رہا تھا مگر باپ کے کہنے پر مجبوراً اُسے گھر چھوڑنا پڑا۔ جاتے وقت وزیر نے فیروز کو چند اشرفیاں دیں اور اللہ سے دُعا کی کہ:

''اے میرے مالک! میرے بیٹے کو اپنی امان میں رکھنا''

گھر سے نکل کر فیروز جنوب کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اُسے ایک بوڑھا آدمی ملا۔ بوڑھے آدمی نے فیروز سے اُس کے متعلق پوچھا۔ فیروز نے بوڑھے

بتایا کہ:

"میں ایک مسافر ہوں اور ساتھ کی ریاست کی طرف جا رہا ہوں"

بوڑھے نے فیروز کو بتایا کہ:

"ہمارا گاؤں اِس ندی کے پار ہے۔ آج کی رات تم یہیں بسر کرلو صبح چلے جانا"

فیروز نے کہا:

"ٹھیک ہے بابا جی! آج کی رات میں یہیں بسر کرلیتا ہوں"

اتنے میں ندی آگئی۔ فیروز نے سارا راستہ ننگے پاؤں طے کیا تھا لیکن ندی میں داخل ہونے سے پہلے اُس نے جوتا پہن لیا۔ بوڑھے کو فیروز کی یہ حرکت بڑی عجیب لگی کہ تمام سفر اُس نے جوتا اُتارے رکھا اور ندی میں داخل ہونے سے پہلے پہن لیا۔ وہ فیروز کی اِس بات پر حیران ضرور ہوا لیکن اُس نے فیروز سے اُس کے بارے میں کچھ نہ پوچھا۔

جب دونوں دوسرے کنارے پر پہنچے تو اُنہوں نے تھوڑی دیر آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ وہ ندی کے کنارے ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ فیروز نے اپنی چھتری کھول کر اپنے اُوپر تان لی۔ بوڑھا ایک مرتبہ پھر حیران ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ اجنبی تو بے وقوف ہے۔ ہر کام اُلٹا کرتا ہے۔ جب سفر کے دوران گرمی تھی تو اِس نے چھتری استعمال نہیں کی اب جبکہ ہم سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے ہیں تو اِس نے اپنے اُوپر چھتری تان لی ہے۔ اِس مرتبہ بھی بوڑھے نے فیروز سے کچھ نہ پوچھا۔

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اُنہوں نے دوبارہ سفر شروع کیا۔ کچھ سفر طے کرنے کے بعد وہ بوڑھے کے گاؤں پہنچ گئے۔ شام ہونے کو تھی۔ بوڑھے نے فیروز کو مسجد میں ٹھہرایا اور کہا:

"تم یہاں آرام کرو۔ میں تمہارے کھانے کا بندوبست کرتا ہوں"

فیروز نے بوڑھے کو کہا:

"بابا جی! میری ایک بات سنتے جائیں"

"وہ کیا بیٹا؟"

بوڑھے نے اشتیاق سے پوچھا۔

"وہ یہ کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے کھانستا"

فیروز نے بوڑھے کو بتایا۔ بوڑھا ہنستا ہوا چلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ اجنبی واقعی بے وقوف ہے۔ جب وہ گھر میں داخل ہونے لگا تو اُس نے ہلکا سا کھانسا۔ اندر

بوڑھے کی بیٹی نہا رہی تھی۔ جب اُس نے کھانسنے کی آواز سنی تو اُس کو پتہ چل گیا کہ اُس کا باپ آ گیا ہے۔ اُس نے اُونچی آواز میں کہا:

"ابا جان! اندر نہ آنا میں نہا رہی ہوں"

بوڑھا فیروز پر بہت خوش ہوا کہ وہ اُس کی جس بات کو یونہی سمجھ رہا تھا کافی عقل مندی کی بات نکلی تھی۔ تھوڑی دیر بعد زبیدہ نے کپڑے پہن لئے اور اُس نے اپنے باپ کو اندر آنے کو کہا۔ جب بوڑھا اندر داخل ہو تو زبیدہ نے پوچھا:

"آج آپ کو کھانسنے کا خیال کیسے آ گیا؟"

بوڑھے نے فیروز کے ساتھ سفر کی ساری روداد سنائی اور کہا کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے مجھے کھانسنے کا مشورہ اُس نے دیا تھا۔ پھر اُس نے بیٹی سے فیروز کے ساتھ پیش آنے والے دو واقعات کے بارے میں پوچھا۔ اُس کی بیٹی بھی کافی ذہین تھی۔ اُس نے باپ کو بتایا کہ اجنبی نے سارا راستہ ننگے پاؤں اس لئے طے کیا کہ کہیں جوتا ٹوٹ نہ جائے کیونکہ جس راستے سے آپ آئے ہیں وہ کافی خراب ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ننگے پاؤں چلنے سے اُسے کوئی تکلیف نہ ہوتی ہو اور ندی میں داخل ہونے سے پہلے اُس نے جوتا اس لیے پہن لیا کہ کہیں پتھروں وغیرہ سے پاؤں نہ زخمی ہو جائیں۔ چونکہ اُس نے ساتھ والی ریاست میں جانا تھا اس لئے اُس کا سفر ابھی کافی رہتا تھا اور اُسے وہاں جلدی پہنچنا ہو۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پاؤں زخمی ہونے کی وجہ سے سفر میں رکاوٹ پڑے اور وہ جلدی نہ پہنچ سکے اور اُس نے سارا راستہ گرمی کے باوجود چھتری استعمال نہ کی۔ آپ کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آدمی کافی ذہین ہے۔ وہ اتنی گرمی بخوبی برداشت کر لیتا ہے اور درخت کے نیچے اس نے اپنے اُوپر چھتری اس لئے تانی کہ کہیں جانوروں کی بیٹوں سے کپڑے خراب نہ ہو جائیں۔ اُس کے پاس ایک ہی جوڑا تھا جو اُس نے پہنا ہوا تھا۔ دوسرا یہ کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جانوروں کی بیٹوں سے کپڑے گندے ہو جائیں اور نماز میں رکاوٹ پڑے اور اُس نے آپ کو کھانسنے کا جو مشورہ دیا تھا وہ آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔

بوڑھے کو بھی پتہ چل گیا کہ اجنبی عقل مند ہے۔ اُس نے زبیدہ سے کہا:

"اب مہمان کیلئے بہترین کھانا پکاؤ"

زبیدہ نے کھانے میں مرغ پکایا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو اُس نے اپنی ملازمہ کو چار روٹیاں مرغ کی کافی ساری بھنی ہوئی بوٹیاں اور ایک جگ دودھ کا دیا اور کہا:

"یہ کھانا مسجد میں ایک اجنبی کو دے آؤ"

کھانے کے ساتھ اُس نے ملازمہ کے ہاتھ فیروز کو ایک پیغام بھی بھجوایا۔ پیغام یہ تھا کہ:

"چاند کی چودھویں رات ہے۔ آسمان پر بہت سے ستارے ہیں اور باغ چار ہیں"

وہ اِس پیغام سے ملازمہ کی ایمان داری اور فیروز کی عقل مندی کا امتحان لینا چاہتی تھی۔ ملازمہ کھانا لے کر مسجد کی طرف چل دی۔ راستے میں اُس کا گھر پڑتا تھا۔ اُس نے دو روٹیاں' آدھی بوٹیاں اور آدھ دودھ گھر رکھ لیا اور باقی فیروز کو دے آئی اور ساتھ ہی زبیدہ کا پیغام بھی سنایا۔

فیروز نے جب کھانا کھالیا تو اُس نے برتن واپس کرتے ہوئے ملازمہ کو یہ پیغام دیا:

"چاند کی ساتویں رات' آسمان پر آدھے ستارے ہیں اور باغ دو ہیں"

ملازمہ نے گھر آکر فیروز کا پیغام سنایا تو زبیدہ نے غصے سے ملازمہ کی طرف دیکھتے ہوئے اُس سے پوچھا:

"بتا دو روٹیاں' آدھی بوٹیاں اور آدھا دودھ کہاں گیا ہے؟"

ملازمہ نے جب یہ سنا تو اُس کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ حیران تھی کہ اُس کو کیسے پتہ چلا کہ مہمان کو آدھا کھانا پہنچا ہے۔ پہلے تو وہ نہ مانی مگر جب زبیدہ نے سختی کی تو فوراً مان گئی کہ وہ آدھا کھانا اپنے گھر لے گئی تھی۔ زبیدہ نے اُس کی خوب جھاڑ کی اور اُس کو گھر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ ملازمہ نے کہا:

"ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں مگر یہ تو بتائیں کہ آپ کو اِس بات کا کیسے پتہ چلا؟"

زبیدہ نے اُسے بتایا کہ:

"اجنبی کے پیغام سے اُس کی چوری پکڑی گئی ہے"

"وہ کیسے؟"

ملازمہ نے پوچھا۔

زبیدہ نے اُسے بتایا کہ:

"میں نے جو پیغام بھیجا تھا وہ اِسی کھانے کے متعلق تھا اور اجنبی نے جو پیغام بھیجا تھا اُس کے مطابق کھانا آدھا تھا۔ اب اِن پیغاموں کا مطلب سنو۔ میرے پیغام کا مطلب یہ ہے۔ "چاند کی چودھویں رات" کا مطلب یہ ہے کہ جگ دودھ سے بھرا ہوا ہے اور "آسمان پر بہت سے ستارے ہیں" اِس کا مطلب یہ ہے کہ بوٹیاں بہت ہیں" اور "باغ چار ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ روٹیاں چار ہیں"۔ جب تم نے کھانے کے ساتھ اجنبی کو یہ پیغام

دیا تو اُس نے پیغام کا مطلب جان لیا اور کھانا کم پایا تو تمہیں یہ پیغام دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ "چاند کی ساتویں رات" کا مطلب یہ ہے کہ روٹیاں آدھی ہیں۔ اس طرح تمہاری چوری پکڑ گئی"

بوڑھا بھی اپنی بیٹی کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ فیروز اور اپنی بیٹی کی عقل مندی سے بہت خوش ہوا۔ زبیدہ نے کہا:

"ابا جان! اس اجنبی کو گھر بلا لایئے۔ یہ کسی اچھے خاندان کا معلوم ہوتا ہے اور گھر سے کسی مجبوری کی وجہ سے نکلا ہے"

بوڑھا فیروز کو گھر لے آیا۔ جب فیروز بوڑھے کے گھر پہنچا تو زبیدہ نے اُسے کہا:

"تم اپنے بارے میں سچ سچ بتا دو کہ تم کون ہو اور کس مقصد کیلئے گھر سے نکلے ہو؟"

فیروز نے اُسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا کہ وہ وزیر کا بیٹا ہے اور کس لئے گھر سے نکلا ہے۔ زبیدہ نے کہا کہ تم فکر مت کرو میں اس مسئلے کا حل ضرور سوچ لوں گی۔ کافی سوچ بچار کے بعد زبیدہ نے ایک طوطا منگوایا اور اُسے ایک فقرہ اچھی طرح یاد کرا دیا۔ فقرہ یہ تھا:

"لاؤ اینٹیں اور لاؤ گارا"

جب طوطے کو یہ فقرہ اچھی طرح یاد ہو گیا تو زبیدہ نے طوطا فیروز کو دیا اور کہا کہ واپس جا کر ابا جان سے کہنا کہ وہ بادشاہ سے مکان بنانے کا سامان اور مزدور مانگے اور بادشاہ سے بھی کہیں کہ وہ آ کر مکان بنتا دیکھ لیں۔ جب سب سامان، مزدور اور بادشاہ پہنچ جائیں تو طوطے کو کافی بلندی پر چھوڑ دینا۔ یہ "لاؤ اینٹیں اور لاؤ گارا" والا فقرہ مسلسل بولتا رہے گا۔ وہ نہ تو اینٹیں اتنی بلندی پر لے جا سکیں گے اور نہ ہی گارا۔ مجبوراً بادشاہ اپنی شرط واپس لے لے گا۔

فیروز طوطا لے کر واپس چلا گیا۔ وزیر نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو بہت غصے ہوا۔ اُس نے فیروز سے کہا کہ:

"تمہیں تو یہاں سے ہمیشہ کیلئے بھگا دیا تھا تا کہ بادشاہ تمہیں قتل نہ کردے اور تم ایک ہفتہ بعد واپس آ گئے ہو"

فیروز نے اطمینان سے کہا:

"ابا جان! آپ فکر نہ کریں۔ میں تمام بندوبست کر کے آیا ہوں"

پھر اُس نے اپنے باپ کو اپنے سفر کی تمام روداد سنا دی۔ وزیر بھی اُس لڑکی کی ذہانت سے خوش ہوا۔ وہ فوراً بادشاہ کے پاس گیا اور ادب سے کہا:

"حضور! میں اُوپر سے شروع ہونے والا مکان

شروع کر رہا ہوں۔ آپ تعمیراتی سامان اور مزدور محل کے ساتھ والی خالی جگہ پر پہنچا دیں۔ میں نے وہیں مکان بنانے کا فیصلہ کیا ہے"

وزیر نے بادشاہ کو بھی دعوت دی کہ وہ آکر مکان بنتا دیکھ لیں۔ بادشاہ نے تمام ضروری سامان اور مزدور وہاں پہنچا دیئے اور خود بھی چلا گیا۔ بہت سے لوگ بھی اُوپر سے شروع ہونے والا مکان دیکھنے کیلئے جمع تھے۔ جب تمام سامان اور مزدور پہنچ گئے اور بادشاہ بھی پہنچ گیا تو وزیر نے کہا:

"حضور! مستری ہمارا ہوگا اور مزدور آپ کے ہوں گے"

بادشاہ نے وزیر کی یہ شرط مان لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسا کونسا مستری ہو سکتا ہے جو مکان اُوپر سے شروع کرے اور نیچے آکر ختم کرے۔ اتنے میں وزیر نے کافی بلندی پر طوطا چھوڑ دیا۔ اُس نے کہنا شروع کر دیا:

"لاؤ اینٹیں لاؤ گارا"

وزیر بادشاہ کے پاس آیا اور کہا:

"حضور! یہ ہمارا مستری ہے۔ اِس کو گارا اور اینٹیں پہنچائی جائیں"

بادشاہ نے کہا کہ:

"یہ تو طوطا ہے' یہ کیسے مکان بنائے گا؟"

"حضور! اپنے مزدوروں سے کہیں کہ اِس کو اینٹیں اور گارا پہنچائیں۔ اگر اس نے مکان بنانا شروع نہ کیا تو آپ اعتراض کر سکتے ہیں"

بادشاہ نے مزدوروں کو حکم دیا کہ وہ طوطے کو اینٹیں اور گارا پہنچائیں مگر وہ اتنی بلندی پر اینٹیں اور گارا کیسے پہنچا سکتے تھے۔ جب کافی دیر تک طوطے کو اینٹیں اور گارا نہ پہنچ سکا تو بادشاہ وزیر کے پاس آیا اور کہا:

"واقعی تمہارا بیٹا ہی حکومت کے قابل ہے۔ میں نے سارا منصوبہ تمہارے بیٹے کو قتل کرنے کیلئے بنایا تھا مگر تم نے میرے منصوبے کو ناکام بنا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ تمہارا بیٹا ہی حکومت کے لائق ہے"

بادشاہ نے اُسی وقت اعلان کر دیا کہ چونکہ میرا بیٹا اتنا قابل نہیں ہے کہ حکومت سنبھال سکے اِس لئے میں وزیر کے بیٹے کو بادشاہ بناتا ہوں۔

بادشاہ کا یہ اعلان سن کر ہر کوئی حیران ہو گیا۔ جب فیروز بادشاہ بن گیا تو اُس نے طارق کے ساتھ بُرا سلوک کرنے کی بجائے اچھا سلوک کیا اور اُس کو بہت سا علم سکھایا اور اُس کی تربیت بھی کی۔ کافی عرصہ کی محنت سے طارق بھی لائق اور بہادر بن گیا۔

فیروز نے طارق کو اپنا وزیر بنا لیا اور اُس کی شادی اپنی بہن سے کر دی۔ کچھ عرصہ بعد فیروز کی بھی بوڑھے کی بیٹی زبیدہ سے بڑی دھوم دھام سے شادی ہو گئی۔ پھر فیروز اور طارق مل کر انصاف سے حکومت کرنے لگے۔

دانش کی باتیں

ڈاکٹر واجد نگینوی کراچی

☆ ظالم سوار کو اُس کا گھوڑا ہی گراتا ہے ☆ کمینوں کی پرورش سے گھر تباہ ہو جاتے ہیں ☆ کپڑے چاہے پرانے پہنو لیکن نئی نئی کتابیں ضرور خریدو ☆ ہر کام کرنے سے پہلے اُس کے آغاز اور انجام پر غور و فکر ضرور کرو ☆ مطالعہ دنیا کے غموں سے انسان کو محفوظ رکھنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے ☆ بلند حوصلہ انسان اپنی منزل ضرور پا لیتا ہے ☆ اعلیٰ اخلاق سے دشمن کو بھی دوست بنایا جا سکتا ہے ☆ بدمزاج انسان سے دور رہو کیونکہ اُس کے ظاہر کی طرح اُس کا باطن بھی برا ہی ہوگا ☆ مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتی ہے ☆ موت ایک بے خبر ساتھی ہے ☆ ظالم کی موت پر ملول ہونا بھی ظلم میں شامل ہے ☆ مایوسی کمزوری کی علامت ہوتی ہے ☆ سچائی پر عمل پیرا ہونا جہاد ہے ☆ دنیا کی ہر چیز قوت ارادی پر مشتمل ہے ☆ شکستہ کشتیوں کو ساحل کے پاس ہی رہنا چاہیے ☆ خدا تعالیٰ کائنات کی سب سے بڑی صداقت ہے ☆ میٹھی بولی سب سے اچھی مٹھاس ہے ☆ اعتماد ہی زندگی کی متحرک قوت ہے ☆ نیکی اپنا انعام آپ ہے ☆ محبت اور خلوص آپس میں فاصلوں کو مختصر کر دیتے ہیں ☆ زبان کھولنے سے پہلے خوب سوچیں پھر بولیں ☆ دل کو ہمیشہ نفرت سے پاک رکھیں ☆ زبان خاموش ہو تو دماغی صلاحیتیں بڑھتی ہیں ☆ خوش اخلاقی خدا کا انسان کو دیا ہوا ایک بیش قیمت تحفہ ہے ☆ جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنا جہاد ہے ☆ ہمیشہ پرعزم رہنے والے انسان ہی زندگی میں کامیاب ہوتے ہیں ☆ کسی کا دل مت توڑو ہو سکتا ہے اُس کے آنسو تمہارے لئے سزا بن جائیں ☆ بچے کیلئے دنیا کی سب سے اچھی چیز ماں کا دل ہے ☆ غموں کے سامنے فولادی چٹان کی طرح ڈٹ جانے والا انسان ہی کامیاب ہوتا ہے ☆ بری سوچ سے ہر حال میں بچنا چاہیے کیونکہ یہ انسانی دماغ کیلئے زہر کا درجہ رکھتی ہے ☆ پاکیزہ اور حلال رزق کمانا اور کھانا عین عبادت ہے ☆ انسانیت کی بھلائی کیلئے جان دینا عظیم ترین قربانی ہے ☆ اپنے ملک کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہونے والے تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جاتے ہیں.....

عمرو عیار اور چاچن جن

تحریر: ضیاء ساجد

عمرو عیار اپنے گدھے پر سوار کوروش ملک کے بادشاہ سے ملنے جا رہا تھا کہ ایک جگہ اس نے ایک خوبصورت مور دیکھا۔ وہ مور کو پکڑنے کی خاطر گدھے سے اُترا اور مور کے پیچھے بھاگنے لگا لیکن مور اس کے ہاتھ نہ آیا۔ وہ کچھ دور تو عمرو عیار کے آگے آگے بھاگتا رہا، پھر اُڑ کر دور جنگل کی طرف چلا گیا۔ اس پر عمرو عیار کو بڑا

۔ آیا۔ وہ مور کو بُرا بھلا کہنے لگا کہ اگر نے اُڑ ہی جانا تھا تو پہلے بھاگ بھاگ کر مجھے تھکایا کیوں ہے۔ مور کو صلواتیں سناتا وہ واپس اپنے گدھے کی طرف آیا۔ یہ دیکھ کر اُس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی کہ اُس کا گدھا وہاں نہیں تھا جس جگہ وہ اُسے چھوڑ کر گیا تھا۔ اِس سے عمرو عیار کے غصے میں اور اضافہ ہو گیا۔ اُس نے پیر پٹخ پٹخ کر گدھے کو یہاں وہاں تلاش کرنا شروع کر دیا۔ بہت آگے جا کے اُس نے دیکھا کہ اُس کا گدھا ایک درخت کے نیچے آرام سے لیٹ کر حقہ پی رہا ہے۔ عمرو عیار نے اپنے حقے کو گدھے کے منہ میں دیکھا تو مارے غصے کے اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اُس نے جلدی سے زمین پر سے چھڑی اُٹھائی اور گدھے کو زور سے مارنے لگا۔ گدھے نے اُس سے کہا:

"بھائی عمرو عیار! غصہ تھوک دو۔ غلطی تمہاری اپنی تھی۔ آخر تم مور کو پکڑنے کیوں گئے تھے۔ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ پروں والا پرندہ ہے اور اُڑ بھی سکتا ہے۔ اب مجھ پر غصہ بلاوجہ نکالنا چاہتے ہو۔ یاد رکھو کہ اگر تم نے مجھے مارا تو مور کی مانند میں بھی بھاگ جاؤں گا"

عمرو عیار کو گدھے کی جرات پر طیش تو بہت آیا لیکن وہ اپنے غصے کو پی گیا کہ کہیں اِس ویران جگہ پر گدھا اُسے چھوڑ کر بھاگ نہ جائے۔ اِس لئے وہ چپ چاپ گدھے پر بیٹھا اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

ابھی اُس نے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ اُسے ایسا لگا جیسے اُس کا گدھا آہستہ آہستہ سکڑتا جا رہا ہے۔ وہ ڈر کر گدھے کے بدن کو دیکھنے لگا۔ واقعی گدھا چھوٹا ہو رہا تھا۔ پھر عمرو عیار کے دیکھتے ہی دیکھتے گدھا سکڑ کر مور بن گیا اور اِس سے پہلے کہ عمرو عیار اُس پر سے چھلانگ مارتا، وہ مور ہواؤں میں اُڑنے لگا۔ عمرو عیار خوف زدہ ہو کر چیخیں مارنا لگا۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اُس کے گدھے کو آج ہوا کیا ہے۔ پہلے اُس نے انسانی زبان میں باتیں کی ہیں۔ اب وہ مور بن گیا ہے۔ وہ دل میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے مور کی آواز سنائی دی۔ مور نے اُسے مخاطب کر کے کہا:

"بھائی عمرو عیار! میں تمہارا گدھا نہیں ہوں بلکہ چاچن جن ہوں۔ میں ہی مور بن کر تمہارے آگے بھاگا تھا۔ اب گدھے بننے کے بعد پھر سے مور بن گیا ہوں۔ تمہارے گدھے کو تو میں نے لاٹھیاں مار مار کر بھگا دیا ہے۔ وہ تو اب تک تمہارے گھر پہنچ گیا ہوگا"

یہ سن کر عمرو عیار کی جان نکل گئی۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے جن سے پوچھا:

"آخر تم مجھے تنگ کیوں کر رہے ہو؟"

چاچن جن نے جواب دیا:

"بھائی عمرو عیار یاد کرو، دو برس پہلے تم نے ہماری ملکہ چھاجینہ کا قیمتی ہار چوری کیا تھا۔ میں اُس قیمتی ہار کا پہرے دار تھا۔ چنانچہ ملکہ چھاجینہ نے ایک تو مجھے نوکری سے فارغ کر دیا، دوسرے سزا کے طور پر ملک بدر کر دیا۔ اب میں دو سال سے اپنے بیوی بچوں سے جدا ہو کر اس ملک میں دھکے کھا رہا ہوں اور تمہاری جان کو کوس رہا ہوں"

عمرو عیار نے چاچن جن کی زبان سے گلہ شکوہ سنا تو بُری طرح سے گھبرا گیا۔ اُس نے سوچا کہ چاچن جن زمین کے اتنی اُوپر لا کر مجھے سزا کے طور پر نیچے گرا دے تو میرا ستیاناس ہو جائے گا۔ لہٰذا وہ چاچن جن کی منت سماجت کرنے لگا:

"جن صاحب! مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔ آئندہ میرے باپ کی توبہ اگر میں تمہارے ملک میں گھسنے کا نام بھی لوں۔ وہ قیمتی ہار ابھی تک میری زنبیل میں پڑا ہوا ہے۔ تم مجھے نیچے زمین پر لے چلو۔ میں تمہیں وہ ہار نکال کر دے دیتا ہوں"

چاچن جن جانتا تھا کہ عمرو عیار مکاری کا بادشاہ ہے۔ اِس نے مکر و فریب دے کر مجھے زمین پر لے جانا ہے اور پھر مجھے دھوکہ دے کر غائب ہو جانا ہے۔ اس لیے اُس نے عمرو عیار کو زمین پر لے جانے کی بجائے زور سے پر جھٹکے اور عمرو عیار کو اپنی کمر پر سے گرا دیا۔

عمرو عیار نے مور کی پیٹھ سے گرتے ہی خوف سے چیخنا شروع کر دیا۔ وہ جوں جوں زمین کی جانب آ رہا تھا توں توں اُس کے دل کی دھڑکن بند ہو رہی تھی۔ پھر اِس پہلے کہ وہ زمین سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا، مور نہایت تیزی سے نیچے آیا اور اُس نے عمرو عیار کو دوبارہ اپنی کمر پر بٹھا لیا۔ عمرو عیار نے چاچن جن کی کمر پر سوار ہو کر لمبے لمبے سانس لینے شروع کر دیے۔ ساتھ ہی ساتھ اُس کی منت سماجت کرنے لگا:

"جن بھائی جان اب مجھے گرانا نہیں تو میری جان نکل جائے گی۔ دیکھو میں تمہاری ٹھوڑی کو ہاتھ لگاتا ہوں"

عمرو عیار کی منت سماجت سن کر چاچن جن زور زور سے قہقہے مارنے لگا، پھر بولا:

"عمرو بھائی اتنی جلدی معافی مانگنے پر اُتر آئے ہو۔ ابھی تو میں نے تمہیں کچھ کہا نہیں۔ تمہاری وجہ سے جس قدر اذیت مجھے پہنچی ہے جب تک اتنی تمہیں نہیں پہنچا لوں گا تو تمہاری جان بخشی نہیں کروں گا"......

یہ کہہ کر چاچن جن نے دوبارہ اپنے پر جھٹکے اور عمرو عیار کو نیچے گرا دیا۔ عمرو عیار قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے آنے لگا۔ دہشت سے اُس کی آنکھیں پھٹنے پر آ گئیں۔ وہ دل ہی دل میں چاچن جن کو بُرا بھلا کہنے لگا اور سوچنے لگا کہ میں کس عذاب میں پھنس گیا ہوں۔ اگر مجھے موقع ملا تو میں اس ظالم جن کو سخت سے سخت سزا دوں گا۔ چاچن جن نے اس مرتبہ اُسے زمین کے ساتھ ٹکرانے سے پہلے ہی پھر سے اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا اور سیدھا اُڑنے لگا۔

بہت دُور ایک کالے رنگ کے پہاڑ پر لے جا کر چاچن جن نے عمرو عیار کو نیچے اُتارا اور آپ بھی مور سے اپنی اصلی صورت اختیار کر گیا۔ عمرو عیار نے دیکھا کہ وہ نہایت دہشت ناک شکل والا جن تھا۔ چاچن جن نے عمرو عیار سے کہا:

"چلو نکالو اب میری ملکہ کا ہار جو تم نے عیاری سے چوری کیا تھا"

عمرو عیار نے جواب میں اپنی زنبیل میں ہاتھ ڈال کر ملکہ کا ہار نکال کر چاچن جن کو دے دیا اور بولا:

"اب خوش ہو۔ چلو مجھے کوروش ملک کے بادشاہ کے پاس لے چلو۔ میرا گدھا تم نے بھگا دیا ہے۔ میں وہاں تک کیسے جاؤں گا؟"

چاچن جن نے عمرو عیار کی درخواست قبول کر لی اور اُسے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر کوروش ملک کی طرف اُڑنے لگا۔ کوروش ملک پہنچ کر چاچن جن کو کوروش ملک کے بادشاہ کی بیٹی شہزادی ناطیہ پسند آ گئی۔ چنانچہ وہ اُسے اُٹھا کر بھاگ گیا۔ کوروش ملک کا بادشاہ باشی شاہ، چاچن جن کے اس جرم پر غضبناک ہو گیا۔ اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ عمرو عیار کو گرفتار کر لیا جائے جس کے ساتھ چاچن جن یہاں آیا تھا۔ بادشاہ کے سپاہیوں نے حکم ملتے ہی عمرو عیار کو گرفتار کر لیا۔ عمرو عیار بہترا چیخا چلایا کہ میرا کیا قصور ہے۔ مجھے کیوں پکڑ رہے ہو؟ لیکن کسی نے اُس کی فریاد پر کان نہیں دھرے۔ سپاہی اُسے پکڑ کر بادشاہ باشی شاہ کے روبرو لے گئے۔ باشی شاہ نے گرج دار آواز میں عمرو عیار سے کہا کہ:

"تمہارے ساتھی جن نے میری بیٹی کو اغوا کیا ہے لہٰذا تم ہی تین دن کے اندر اندر میری بیٹی کو قید سے رہا کرا کے لاؤ گے ورنہ میں تمہارے خاندان کو آگ میں پھینک دوں گا"

عمرو عیار نے باشی شاہ کا غصہ دیکھا تو چاچن جن کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ وہ چاچن جن کو سخت سے سخت سزا دینا چاہتا تھا کیونکہ پہلے اُس نے عمرو عیار سے ہار چھینا

اور۔ ۔ ہاشی شاہ کی بیٹی کو اغوا کر کے اُسے ایک نئی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ وہ دن رات ایک کر کے چاچن جن کے ملک میں داخل ہو گیا۔ اُسے یقین تھا کہ چاچن جن ہار لے کر ضرور اپنی ملکہ کے پاس گیا ہو گا تا کہ اُس سے اپنا جرم معاف کرا سکے۔ جنوں کے ملک موگان میں داخل ہونے سے پہلے عمرو عیار نے زنبیل سے بھیس بدلنے والا سامان نکالا اور اُس کی مدد سے ایک بوڑھا فقیر بن گیا۔ اب اُس کے گھر والے بھی اُسے دیکھتے تو پہچان نہ سکتے تھے۔

موگان ملک میں فقیر بن کر گھسنے کے بعد عمرو عیار جنوں سے پوچھتا کہ اگر میں تم سے روٹی کی بھیک مانگوں گا تو کیا تم مجھے روٹی دو گے۔ جواب میں جن اُسے کہتے کہ ہاں روٹی دیں گے۔ یہ جواب سن کر عمرو عیار خوشی سے تالی بجاتا ہوا اور آگے بڑھ جاتا۔ اِس پر جن اُسے پاگل سمجھ کر نظر انداز کر دیتے۔ اس طرح وہ ملکہ کے محل کے سامنے پہنچ گیا۔ وہاں اُس نے دیکھا کہ بے شمار جن محل کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔ عمرو عیار پہلے بھی ایک مرتبہ یہاں آ چکا تھا اور اپنی عیاری سے ملکہ **چاجینہ** کا قیمتی ہار چُرا کر لے گیا تھا۔ اس لیے اُسے اُن تمام راستوں کا علم تھا جن سے گزر کر محل کے اندر جایا جا سکتا تھا۔ وہ سامنے والے راستے کو چھوڑ کر دائیں طرف چل پڑا اور درختوں کے پیچھے چھپتا چھپاتا محل کے اُس دروازے کی سمت بڑھنے لگا جس پر صرف دو پہرے دار ہوتے تھے۔ اُس دروازے کے قریب جا کر اُس نے دیکھا کہ دونوں پہرے دار لمبی چمکیلی اور تیز دھار تلواریں تھام کر دروازے پر چوکس کھڑے تھے۔ عمرو عیار نے درخت کی اوٹ سے عورتوں جیسی آواز نکال کر انہیں پکارا۔ وہ ایک عورت کی آواز سن کر چونک پڑے اور تیز تیز قدم اُٹھائے اُس طرف آئے جہاں عمرو عیار چھپا ہوا تھا۔

اتنی دیر میں عمرو عیار نے زنبیل سے وہ بے ہوش کرنے والی سفوف نکالی جو گینڈے کو بھی ایک لمحہ میں بیہوش کر دیتی تھی۔ پھر جونہی دونوں پہرے دار جن اُس کے نزدیک ہوئے۔ اُس نے وہ سفوف اُن کے چہروں پر پھینک دی۔ جن اُس سفوف کو سونگھتے ہی بے ہوش ہو کر گھاس پر گر گئے۔ عمرو عیار نے زنبیل سے جادو کی چھڑی نکال کر اُن جنوں کے سر پر ہولے ہولے ماری جس سے جنوں کے قد تیزی سے چھوٹے ہونے لگے۔ آخر وہ ایک انگشت کے برابر رہ گئے۔ تب عمرو عیار نے دونوں کو اُٹھا کر زنبیل میں ڈال لیا اور محل کے اندر داخل ہو گیا۔

محل کے اندر جا کر عمرو عیار اُس بڑے کمرے ...

ڈھونڈنے لگا جس کے اندر ملکہ چاجینہ اپنا دربار لگاتی تھی۔ عمرو عیار نے دیکھا کہ ملکہ دربار لگائے ہوئی بیٹھی تھی اور اُس کے سامنے چاچن جن مودب ہو کر کھڑا تھا۔ بادشاہ باسی شاہ کی بیٹی شہزادی ناطیہ اُن کے ساتھ کھڑی تھی۔ ڈر کے مارے اُس کا رنگ سفید ہو گیا تھا اور وہ زور زور سے کانپ رہی تھی۔ عمرو عیار ایک ستون کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا اور موقع کا انتظار کرنے لگا۔ قدرے توقف کے بعد اُس نے دیکھا کہ چاچن جن سیدھا کھڑا ہو گیا اور ملکہ کو مخاطب کر کے بولا:

"ملکہ معظمہ! وہ جو ہار عمرو عیار چُرا کر لے گیا تھا وہ میں اُس چور سے واپس لے آیا ہوں۔ اِس لیے میری سزا اب آپ معاف کر دیں۔ آپ کی نوازش ہو گی۔"

یہ کہہ کر اُس نے ملکہ کا قیمتی ہار جیب سے نکالا اور اُسے ملکہ کو پیش کیا۔ ملکہ نے جونہی ہار کو لے کر اپنے گلے میں پہنا وہ ایک زہریلا سانپ بن گیا۔ ملکہ نے اِس پر ایک خوفناک چیخ ماری اور ڈر کے مارے اُچھلنے لگی جس پر ناگ پکڑنے والا درباری جن آگے بڑھا اور اُس نے پھرتی دکھا کر سانپ پر قابو پالیا۔ چاچن جن نے یہ منظر دیکھا تو خوف کی شدت سے اُس کے دانت بجنے لگے۔ وہ سہم گیا کہ اِس زیادتی پر ملکہ اُسے سخت سے سخت سزا دے گی۔ ویسے وہ دل میں حیران تھا کہ ہار سانپ کیسے بن گیا۔ اُس کے دل نے کہا کہ ضرور یہ عمرو عیار کی شرارت ہے۔ اُس نے اِسی زنبیل سے ملکہ کا اصل ہار نکال کر دینے کی بجائے مجھے جادو کے زور پر سانپ کو ہار بنا کر دے دیا ہو گا۔

چاچن جن کا شک صحیح تھا۔ واقعی عمرو عیار نے اُسے ہار کی جگہ سانپ دے دیا تھا۔ ملکہ نے چاچن جن کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھا اور اُسے حکم دیا کہ وہ جس لڑکی کو اغوا کر کے لایا ہے اُسے فوراً اُس کے گھر چھوڑ کر دس برس کیلئے ملک مورگان سے باہر رہے۔ چاچن جن نے ملکہ کے آگے بہتری وضاحت کی کہ قصور میرا نہیں ہے، عمرو عیار نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ پھر اُس نے ملکہ سے معافی بھی مانگی لیکن ملکہ کا غصہ ختم نہ ہوا۔ اُس نے کہا:

"تمہیں میرا حکم ماننا پڑے گا ورنہ میں تمہیں چھپکلی بنا کر برف کے سمندر میں پھینک دوں گی۔"

چنانچہ چاچن جن شہزادی ناطیہ کو لے کر واپس چل پڑا۔ عمرو عیار بھی اُس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ دونوں ایک ہی وقت میں ملک کوروش کے بادشاہ کے محل میں پہنچے۔ چاچن جن ملک کے بادشاہ باشی شاہ کے حوالے اُس کی بیٹی شہزادی ناطیہ کر کے محل سے نکلنے لگا تو عمرو عیار

نے اُسے روک لیا۔ عمرو عیار نے جادو کے زور سے اُس وقت اپنا قد پچاس فٹ اُونچا کر رکھا تھا۔ اُس نے چاچن جن کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اُوپر اُٹھالیا اور اِس کو اُوپر نیچے جھٹکے دینے لگا۔

چاچن جن کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ زور زور سے رونے لگا اور عمرو عیار کی منت سماجت کرنے لگا کہ میری خطا معاف کردو۔ میں آئندہ تمہیں تنگ نہیں کروں گا۔"

عمرو عیار نے نفرت سے کہا:

"کمینے جن! مجھے تم جو مرضی کہہ لیتے۔ تم نے ایک بے گناہ شہزادی کو کیوں اغوا کیا تھا۔ میں اب تمہیں ایک اُونچے درخت کے ساتھ لٹکادوں گا اور لوگوں کو کہوں گا کہ وہ تمہیں پتھر ماریں"

چاچن جن یہ سن کر زور زور سے دھاڑیں مارنے لگا۔ اُس نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھالیا۔ اُس کی آواز شہزادی ناطیہ تک پہنچی تو اُسے اِس پر رحم آگیا۔ اُس نے اپنے باپ باشی شاہ سے کہا کہ چاچن جن کو اُس کے کئے کی بہت سزا مل گئی ہے۔ عمرو عیار سے کہیں کہ وہ اب اُسے چھوڑ دے۔

بادشاہ باشی شاہ اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کی کبھی کوئی خواہش رد نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے عمرو عیار کو پیغام بھجوایا کہ چاچن جن کو آزاد کردیا جائے کیونکہ اُس نے آئندہ انسانوں کو تنگ کرنے سے توبہ کرلی ہے۔

عمرو عیار نے بادشاہ کے حکم پر چاچن جن کے بال چھوڑ دیئے اور وہ دھڑام کر کے نیچے گر کر کراہنے لگا۔ اِس کے بعد عمرو عیار نے اُسے ملکہ **چاچینہ** کا اصل ہار بھی زنبیل میں سے نکال کردے دیا۔ پھر نصیحت کی کہ آئندہ عمرو عیار کو کبھی تنگ نہ کرنا اور نہ ہی کسی انسان کو پریشان کرنا ورنہ مار مار کر دُنبہ بنادوں گا۔

چاچن جن نے جواب میں کانوں کو ہاتھ لگائے اور ہار لے کر اپنے ملک مورگان کو اُڑ گیا۔

اقوال زریں

صفوان ارشد آسٹریلیا

☆ دُنیا میں آنا آسان ہے مگر اِس سے نکلنا مشکل ہے ☆ جس شخص کا دل کسی دنیاوی چیز سے خوش ہوگیا وہ دانائی سے ہٹ گیا ☆ بے صبر بھوکا قبر کے بہت قریب ہوتا ہے ☆ اللہ سے ڈرنے والا کامیاب ہو جاتا ہے ☆ جس نے مصائب پر صبر کیا اُس نے مقصود کو پالیا ☆ صبر کا انجام بہترین اور غصے کا انجام بدترین ہوگا۔

ایک تھا شہزادہ ایک تھی شہزادی

مقبول احمد دہلوی

بہت ہی پرانے زمانے کی بات ہے۔ ملک فارس پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ بادشاہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ہر قسم کے علوم کے زیور سے آراستہ کرنا چاہتا تھا۔ مگر شہزادہ عجیب طبیعت کا انسان تھا۔ پڑھنے کی طرف اس کا دل ہی نہ لگتا۔ سارا دن ادھر ادھر گھومتا، پھرتا رہتا۔ رات ہوتی تو محل

بہترین گھوڑا لایا ہوں۔"

بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔ "کہاں ہے گھوڑا؟"

سوداگر نے ادب سے کہا۔

"کل صبح آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔"

اگلے دن صبح ہی صبح سوداگر گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ کو بڑی مایوسی ہوئی۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ دبلا پتلا، پستہ قد، کالے رنگ کا ایک معمولی گھوڑا تھا۔

"یہی گھوڑا لائے ہو؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"جی یہی ہے وہ!"

"کیا دام ہیں؟" بادشاہ نے حقارت سے پوچھا۔

"دس ہزار اشرفیاں" سوداگر نے کہا۔

بادشاہ کو چکر آ گیا۔ اس نے سوچا۔ "ضرور کوئی بات تو ہے جو سوداگر ایسے معمولی گھوڑے کے دام دس ہزار اشرفیاں بتا رہا ہے۔"

بادشاہ نے سوداگر سے کہا۔ "تمہارا گھوڑا بالکل معمولی ہے لیکن کیونکہ اتنی دور سے آئے ہو اس لیے تمہارا دل رکھنے کے لیے ہم تمہیں دس ہزار اشرفیاں دیں گے۔"

"ارے یہ کیا؟" جیسے ہی بادشاہ نے دس ہزار اشرفیوں کی تھیلی سوداگر کی طرف بڑھائی اس نے جلدی سے جھپٹ کر تھیلی جیب میں ڈالی اور گھوڑے پر بیٹھ کر رفو چکر ہو گیا۔

"اس بدمعاش کا پیچھا کرو۔" بادشاہ نے غضب ناک ہو کر سپاہیوں سے کہا۔ "یہ سوداگر نہیں کوئی ڈاکو تھا۔"

اسی وقت سینکڑوں سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ مگر کئی دن کی دوڑ دھوپ کے بعد بھی وہ اس کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔ بادشاہ غصہ سے ہونٹ چبا رہا تھا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار دھوکا کھایا تھا۔ اس گستاخ سوداگر کی جسارت اور بدتمیزی پر رہ رہ کر اسے غصہ آ رہا تھا۔

"وزیر صاحب" بادشاہ نے وزیر سے کہا۔

"اعلان کر دو۔ سوداگر کو گرفتار کر کے ہمارے پاس لانے والے کو مالا مال کر دیا جائے گا۔"

تمام سپاہی اور رعایا جی جان سے سوداگر تلاش کرنے لگے۔ بادشاہ کو روز خبر ملتی رہیں۔ "حضور! آج وہ نظر آیا تھا ہم نے اس کا تعاقب کیا مگر اس کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔"

کوئی کہتا۔ "جہاں پناہ! آج سوداگر ایک پہاڑی پر کھڑا تھا۔ مگر جیسے ہی ہم نے اس کا پیچھا کیا وہ جانے کہاں گم ہو گیا۔ ایسی خبروں سے بادشاہ اور زیادہ جھنجلا رہا تھا۔

وہ اپنے وزیر اور سپاہیوں کو بلا کر بری طرح ڈانٹتا۔

"شرم آنی چاہیے تم سب کو۔ ڈوب مرو ایک آدمی کو

گرفتار نہیں کر سکتے۔"

بادشاہ کی جھنجلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے اعلان کرا دیا۔ اگر آج شام تک سوداگر گرفتار نہ ہوا تو تمام وزیروں اور سپاہیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ یہ سن کر تو سب کی جان سی نکل گئی۔ سوداگر کا گرفتار ہونا ناممکن تھا لوگ اپنی موت کا انتظار کرنے لگے۔

رفتہ رفتہ سورج دور مغرب کی سمت جھک چلا۔ ڈوبتے سورج کی سنہری روشن کرنیں محل کے سونے کے میناروں کو جگمگانے لگیں۔ بس سورج غروب ہونے ہی والا تھا کوئی لمحہ کی بات تھی تمام سپاہی اور وزرا اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔

بادشاہ سلامت محل کے ایک جھروکے سے دور تک پھیلے ہوئے میدان کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک دور بہت دور ایک غبار سا اٹھتا نظر آیا جو تیزی کے ساتھ محل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بادشاہ نے غور سے دیکھا کوئی شخص گھوڑے پر سوار تھا۔ دفعتاً بادشاہ زور سے چیخا۔ "ارے یہ تو وہی سوداگر ہے سپاہیو! اس بدمعاش کو گرفتار کرلو۔

"ٹھہریئے حضور! مجھے گرفتار نہ کیجیے۔ میں تو خود حاضر ہوں۔" سوداگر نے قریب آکر سلام کرتے ہوئے کہا۔

"دھوکے باز سوداگر ہم تمہارا سلام قبول نہیں کرتے؟"
بادشاہ گرجا۔

"مگر حضور میں نے کون سا دھوکا کیا ہے آپ کے ساتھ۔" سوداگر بولا۔

"مکار۔ اشرفیاں لے کر نہیں بھاگا؟" بادشاہ نے غصے سے کہا۔ "حضور!" سوداگر بولا "میرا بھاگنا ضروری تھا۔ جب میں نے گھوڑا آپ کو دکھایا تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ آپ کو گھوڑا پسند نہیں آیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو ایک ایسی چیز دوں جو آپ کو پسند نہ ہو اسی لیے میں نے یہ حرکت کی۔ کیا اب بھی آپ کو گھوڑے کی برق رفتاری کا اندازہ نہیں ہوا؟ آپ کے تمام سپاہی آپ کی سلطنت کے بہترین شہسوار بھی اس کی گرد کو نہیں پا سکے۔

بہر حال حضور! دنیا کا سب سے تیز رفتار گھوڑا آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ بادشاہ کے غضب ناک چہرے پر اچانک مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سوداگر کو مالا مال کر دو۔ واقعی اس کے گھوڑے کا جواب نہیں۔" اور اس کے بعد سوداگر کچھ دن بادشاہ کا مہمان رہا۔ پھر بہت سا سونا چاندی لے کر اپنے وطن کو لوٹ گیا۔

میں آ کر سو رہتا۔

ایک دن شہزادہ گھومتا پھرتا اپنے ملک سے دور نکل گیا اور راستہ بھول جانے کے باعث ہمسایہ ملک یمن میں جا پہنچا۔ چلتے چلتے وہ تھک گیا تھا۔ اس لیے ایک درخت کے نیچے ستانے کے لیے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ کہاں جاؤں؟ رات ہونے والی ہے کہیں نہ کہیں جا کر کھانا بھی کھانا ہے لیکن میرے پاس تو پیسے بھی نہیں ہیں۔ پھر کھانا کیسے ملے گا؟

شہزادہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اس کی نگاہ جنگل میں پڑے ہوئے ہاتھی دانت پر پڑی۔ وہ جلدی سے اٹھا اور ہاتھی دانت اٹھا کر اسے تراشنے لگا۔ شہزادے کو ہاتھی دانت کا بہت اچھا کام آتا تھا۔ اس نے تھوڑی ہی دیر میں ہاتھی دانت کو چھیل کر آدھا سیر کے قریب چاول تیار کر لیے۔ ان چاولوں کو لے کر شہزادہ قریبی گاؤں کی طرف چل دیا۔

اس گاؤں میں ایک بوڑھا بڑھئی رہتا تھا۔ اس کی ایک ہی بیٹی تھی۔ وہی اسے کھانا پکا کر دیتی تھی۔ ان باپ بیٹی کے علاوہ گھر میں اور کوئی نہ تھا۔ رات ہوتے ہوتے شہزادہ اسی بڑھئی کے گھر پہنچا، اور بولا۔

"بابا! میں ایک مسافر ہوں۔ راستہ بھٹک کر ادھر آ نکلا ہوں۔ میرے پاس صرف یہ تھوڑے سے چاول ہیں۔ انہیں آپ پکوا دیجیے تاکہ میں کھا کر سو رہوں۔"

بڑھئی نے شہزادے کے لیے بستر بچھایا اور اپنی بیٹی سے اس کے چاول پکانے کے لیے کہا۔ بڑھئی کی بیٹی پتیلی میں چاول ڈال کر چولہے پر ابالنے لگی۔ لیکن آدھی رات گزر جانے پر بھی وہ چاول پک نہ سکے۔ بے چاری بڑھئی کی لڑکی بار بار چاولوں کو دیکھتی رہی لیکن اسے ایک بھی چاول پکتا نظر نہ آیا۔ وہ یہ سوچ کر پریشان ہونے لگی کہ کہیں گھر آیا مہمان زیادہ بھوکا نہ ہو! اگر وہ کچھ کھائے پیے بغیر سو گیا تو بابا مجھ پر ناراض ہوں گے۔

یہ سوچ کر اس نے پتیلی کے چاول تھال میں نکال لیے اور اپنے گھر سے دوسرے چاول لے کر چولہے پر چڑھا دیئے۔ وہ چاول جلد ہی پک کر تیار ہو گئے۔ اور انہیں ایک طشتری میں نکال کر وہ اجنبی مہمان یعنی شہزادے کو کھانے کے لیے دے آئی۔

شہزادہ چاول کھا کر سو گیا۔ لیکن بڑھئی کی بیٹی رات

پھر شہزادے کے لائے ہوئے چاولوں کے بارے میں سوچتی رہی۔ صبح ہوتے ہی اس نے اٹھ کر سب سے پہلے ان چاولوں کو جا کر دیکھا۔ بڑھئی کی لڑکی کو جلد ہی پتہ لگ گیا کہ یہ ہاتھی دانت کے بنے ہوئے چاول ہیں۔ وہ اپنے باپ کے پاس گئی اور ساری بات اس کے گوش گزار کی۔ اس کے باپ نے جب یہ سنا کہ اس کا مہمان تو کوئی بہت ہی ہوشیار کاریگر ہے۔ تو اس نے شہزادے کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دینے کا فیصلہ کیا۔

شہزادے نے بڑھئی کی بات مان کر اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کر لی۔ اب شہزادہ وہیں بڑھئی بن کر رہنے لگا لیکن وہ دن بھر پڑے پڑے کچھ سوچتے رہنے کے علاوہ اور کچھ کام نہیں کرتا تھا۔ اسے دن رات خاموش گھر میں لیٹے دیکھ کر ایک دن بڑھئی کی بیٹی نے کہا۔ ''جانے سارا دن لیٹے لیٹے آپ کیا سوچتے رہتے ہیں۔ اس طرح بھلا کیسے زندگی بسر ہوگی۔ جاؤ کہیں سے اچھی سی لکڑی کاٹ کر لاؤ تاکہ کچھ بنائیں پھر اس کو بیچ کر گھر کا خرچ چلائیں۔ اس طرح بے کار بیٹھے رہنا تو مردوں کو زیب نہیں دیتا۔''

شہزادے نے بیوی کے کہنے پر اوزار سنبھالے اور جنگل کی طرف چل دیا۔ جنگل میں پہنچ کر اس نے ایک ایک کر کے کئی درختوں کو کاٹنے کے لیے منتخب کیا۔ لیکن پھر جانے کیا سوچ کر اس نے ان میں سے ایک بھی درخت نہیں کاٹا۔ آخر میں جب وہ جنگل سے واپس آنے لگا تو ایک درخت نے اس سے کہا۔ ''شہزادے تم مجھے کاٹ کر لے چلو۔ میری لکڑی سے تم پلنگ کے چار پائے تیار کرنا۔ پھر انہیں بیچ دینا۔ اس طرح تم ساری عمر کے لیے کام کرنے سے آزاد ہو جاؤ گے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا جب پلنگ کے پایوں کی قیمت پوچھی جائے تو تم اتنا کہنا کہ ''ان کی قیمت ان پائیوں سے پوچھیے۔''

شہزادہ اس درخت کو کاٹ کر گھر لے آیا۔ اس کے ٹکڑے کر کے اس نے چار خوب صورت پلنگ کے پائے تیار کیے اور ایک دن شہر کے بازار میں انہیں فروخت کرنے کے لیے لے گیا۔

بازار اس ملک کے بادشاہ نے قائم کیا تھا۔ اس نے اپنے نوکروں کو تاکید کر رکھی تھی کہ کوئی بھی شخص اس بازار سے مایوس واپس نہ جائے۔ اگر کسی چیز کا کوئی

بھی خریدار نہ ہو تو اسے خرید کر شاہی خزانے سے پیسے دے دیئے جائیں۔ شہزادہ اسی بازار میں شام تک اپنے تیار کیے ہوئے پایوں کو لے کر بیٹھا رہا۔ لیکن کوئی بھی خریدار انہیں خریدنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ کیونکہ جو بھی ان پایوں کی قیمت پوچھتا، پائے کہتے "چار لاکھ اشرفیاں رکھو اور ہمیں لے جاؤ۔" نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی شخص بھی اتنے قیمتی پلنگ کے پائے خریدنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ آخر میں شام کے نوکر شہزادے کے پاس آئے اور پوچھنے لگے۔ "بڑھئی! ان چاروں پایوں کے کتنے روپے لو گے؟"

شہزادے نے کہا۔ "تم خود ان پایوں سے ہی ان کی قیمت دریافت کرلو۔"

نوکروں نے جب پایوں سے ان کی قیمت پوچھی تو انہوں نے اپنی قیمت چار لاکھ اشرفیاں بتائیں۔ نوکروں نے زندگی میں پہلی بار پلنگ کے پایوں کو بولتے دیکھا تھا۔ وہ دوڑ کر بادشاہ کے پاس گئے اور بولے۔ "حضور! آج تو بازار میں ایک بڑھئی چار پلنگ کے پائے بیچنے آیا ہے، جسے شام تک کسی نے بھی نہیں خریدا۔"

بادشاہ نے کہا کہ "تو پھر انہیں تم خرید لو۔ اور ان کی قیمت شاہی خزانے سے ادا کردو۔"

"لیکن حضور ان کے دام بہت زیادہ ہیں۔ نوکر بولے "مزے کی بات یہ ہے کہ پائے اپنے منہ سے چار لاکھ اشرفیاں طلب کرتے ہیں۔"

بادشاہ بولا۔ "وہ پائے خود اپنے منہ سے چار لاکھ اشرفیاں مانگتے ہیں؟ یہ بات ہے تو اس بڑھئی کو بلا کر ہمارے سامنے پیش کرو۔"

نوکروں کے ساتھ شہزادہ چاروں پائے لے کر بادشاہ کے سامنے پیش ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا "کیوں بھئی! ان پایوں کے کتنے پاس پیسے لو گے؟" شہزادہ بولا "آپ خود ان پایوں سے ان کی قیمت پوچھ لیجیے۔"

بادشاہ نے جب پایوں سے پوچھا تو پایوں نے کہا "چار لاکھ اشرفیاں ادا کیجیے اور ہمیں اپنے پاس رکھ لیجیے۔"

بادشاہ نے فوراً چار لاکھ اشرفیاں شہزادے کے حوالے کیں اور پائے اپنے پاس رکھ لیے۔ شہزادے کے جانے کے بعد اس نے چاروں پایوں کا ایک خوب صورت پلنگ بنوایا۔ اور شام کا کھانا کھا کر جلدی

نے پلنگ پر لیٹ گیا۔

بادشاہ کو نیند تو نہ آئی لیکن وہ پلنگ پر لیٹا رہا۔ آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی۔ محل کے اندر اور باہر سب لوگ سو گئے تھے۔ دفعتاً پلنگ کا ایک پایہ دوسرے پائے سے بولا۔ "اب میرا بوجھ تم اٹھاؤ۔ میں باہر سیر کے لیے جا رہا ہوں۔" اتنا کہہ کر پہلا پایہ اپنی جگہ سے کھسکا اور محل کی کھڑکی سے نکل کر آسمان میں چکر لگاتا ہوا کافی دور ایک جنگل میں جا پہنچا۔ اس جنگل میں ایک سونے کا درخت دیکھ کر پلنگ کا پایہ واپس اپنی جگہ پر آ گیا۔ اس کے واپس آنے پر باقی تین پایوں نے اس سے پوچھا۔ "کیوں بھائی سیر کر آئے؟ آج کیا نئی چیز تم نے دیکھی؟"

پہلے پائے نے کہا "گھومتا پھرتا میں ایک جنگل میں جا پہنچا تھا۔ وہاں ایک سونے کا درخت دیکھ کر میں واپس آ گیا ہوں۔"

دوسرے پائے نے کہا۔ "اگر اس سونے کے درخت کو بادشاہ اکھاڑ کر لے آئے اور اپنے محل میں لگائے تو کتنا اچھا ہو!"

پہلا پایہ بولا۔ "ہاں بادشاہ اسے اکھاڑ کر اپنے محل میں تو لا سکتا ہے لیکن اس سونے کے درخت میں ایک دیو رہتا ہے وہ کسی کو درخت کاٹنے یا اکھاڑنے نہیں دیتا۔ اگر کوئی اسے کاٹنے یا اکھاڑنے کی کوشش کرتا ہے تو دیو اسے مار ڈالتا ہے۔" بادشاہ پلنگ پر لیٹا ہوا یہ سب قصہ سن رہا تھا۔ پہلے پائے کے بعد دوسرا پایہ بولا۔

"اچھا دوستو! اب تم میرا بوجھ سنبھالو۔ میں باہر گھومنے جا رہا ہوں۔" اتنا کہہ کر دوسرا پایہ اپنی جگہ سے اڑا اور آسمان میں چکر لگاتا ہوا کافی دور نکل گیا۔ تھوڑی دیر گھوم پھر کر وہ واپس اپنی جگہ پر پہنچنے ہی والا تھا کہ بادشاہ کے محل میں سات چور اشرفیاں چرا کر بھاگ رہے تھے پلنگ کے پائے نے جب انہیں دیکھا تو وہ اچھل اچھل کر چوروں کے سر پھوڑنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں ساتوں چوروں کو بے ہوش کر کے وہ واپس اپنی جگہ پر آ گیا۔

اس کے آتے ہی باقی تین پایوں نے اس سے پوچھا۔ "کہو بھائی باہر گئے تھے کیا دیکھا؟"

دوسرے پائے نے کہا "باہر تو کوئی خاص چیز نظر

نہ آئی۔ البتہ واپسی کے وقت محل میں سات چوروں کو اشرفیاں چوری کر کے بھاگتے ضرور دیکھا ہے۔"

چوروں کو اشرفیاں چرا کر بھاگتے دیکھا اور تم واپس آگئے؟" دوسرے پایوں نے کہا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔" دوسرا پایہ بولا۔

بادشاہ پلنگ پر لیٹے لیٹے اس پائے کی بھی ساری داستان سنتا رہا۔ اس کے بعد تیسرا پایہ بولا "اچھا ساتھیو! اب تم سب میرا بوجھ سنبھالو۔ میں باہر سیر کرنے جاتا ہوں۔" اتنا کہہ کر تیسرا پایہ اپنے مقام سے کھسکا اور پہلے دو پایوں کی طرح محل کی کھڑکی سے نکل کر آسمان کی وسعتوں میں گم ہوگیا۔ وہ بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح کافی دیر تک ادھر ادھر گھومتا رہا۔ لیکن اسے کوئی خاص چیز دکھائی نہیں دی۔ آخر وہ لوٹ کر واپس اپنی جگہ پر آنے لگا۔ جیسے ہی وہ بادشاہ کے پلنگ کے پاس پہنچا وہ ایک دم چونک پڑا۔ لیکن منہ سے کچھ بولے بغیر وہ چپ چاپ اپنی جگہ پر پہنچ گیا۔

تینوں پایوں نے اس سے پوچھا "کہو بھائی تم کیا دیکھ کر آئے ہو؟"

تیسرے پائے نے جواب دیا "بھائیو! میں نے باہر تو کچھ نہیں دیکھا لیکن بادشاہ کی جوتی میں ایک زہریلا سانپ ضرور بیٹھے دیکھا ہے۔ افسوس! بادشاہ جیسے ہی صبح سو کر اٹھے گا اور جوتی پہنے گا۔ سانپ اسے ڈس لے گا۔ بے چارہ بادشاہ مر جائے گا۔"

دوسرے پایوں نے کہا "تم چپ چاپ اسے دیکھ کر واپس کیوں چلے آئے۔ سانپ کو مار کیوں نہ دیا؟"

پائے نے جواب دیا "اگر میں سانپ کو مارنے لگتا تو بادشاہ کی آنکھ کھل جاتی۔ پھر ہمارا سارا راز فاش ہو جاتا۔" بادشاہ خاموش لیٹا ساری باتیں سنتا رہا۔

آخر میں چوتھا پایا بولا۔ "دوستو! میں آج باہر سیر کے لیے نہیں جاؤں گا۔"

"سیر کے لیے نہیں جاؤ گے تو ہمیں کوئی نئی بات کیسے سناؤ گے؟" دوسرے پائے بولے۔

"سنیے صاحبان! بالکل نئی بات سنیے!" چوتھا پایہ بولا۔ "کتنی عجیب بات ہے۔ بادشاہ جو اس پلنگ پر سو رہا ہے۔ اس کی اکلوتی بیٹی جو بچپن میں گم ہوگئی تھی آج بھی زندہ ہے اور اس بڑھئی کی بیوی بن کر زندگی گزار

رہی ہے۔ جو بادشاہ کے پاس ہمیں فروخت کر گیا ہے۔ شہزادی آج تک یہی جانتی ہے کہ وہ ایک بڑھئی کی بیٹی ہے۔"

"دوست یہ تو تم نے بالکل نئی بات بتائی۔" دوسرا پایہ بولا "لیکن افسوس تم نے یہ بات دیر سے بتائی۔ اگر بادشاہ کو اپنی بیٹی کے بارے میں معلوم بھی ہو گیا تو وہ کبھی اسے واپس محل میں نہیں لائے گا۔ سنا ہے کہ اس نے کسی بڑھئی سے شادی کر لی ہے۔"

"دوستو! حیران کن بات تو یہی ہے کہ جس کے ساتھ شہزادی کی شادی ہوئی ہے وہ بھی ایک شہزادہ ہے۔ اس کا باپ ملک فارس پر حکومت کرتا ہے!"

بادشاہ نے یہ سنا تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ تھوڑی دیر بعد صبح ہو گئی۔ بادشاہ پلنگ پر اٹھ کر بیٹھا۔ اس نے اٹھتے ہی سب سے پہلے ایک پہریدار کو بلا کر محل کے خزانے کے پاس بھیجا۔ پہریدار نے خزانے کے قریب جا کر دیکھا تو وہاں سات چور بے ہوش پڑے ہیں۔" اس نے بادشاہ سے آ کر کہا کہ محل میں سات چور بے ہوش پڑے ہیں۔" تب بادشاہ کو پایوں کی باتوں پر پورا یقین ہو گیا۔ اس نے اسی لمحہ پہریدار سے کہا۔ "میری دونوں جوتیوں کو کسی موٹے ڈنڈے سے خوب پیٹو!"

پہریدار نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔ بعد میں جب اس نے جوتی جھاڑ کر دیکھی تو اس میں سے ایک مردہ سانپ نکلا۔

بادشاہ کو ان دونوں کے مشاہدے کے بعد اپنی گمشدہ شہزادی اور سونے کے درخت والی بات پر بھی یقین ہو گیا۔ اس نے فوراً ایک سپاہی بھیج کر جنگل سے بڑھئی، اس کی بیٹی اور داماد کو شاہی محل میں بلوایا۔ جب بڑھئی سے پوچھا کہ سچ سچ بتا کہ یہ کس کی بیٹی ہے تو اس نے کہا "حضور! بچپن میں مجھے جنگل میں ملی تھی۔ اس وقت سے میں اس کو بیٹی بنا کر پرورش کرتا رہا ہوں۔"

بادشاہ اور ملکہ اپنی گمشدہ شہزادی کو پا کر خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ بعد میں جب شہزادے نے اپنا مکمل تعارف کرایا تو شہزادی، ملکہ اور بادشاہ بھی خوش ہوئے ملکہ نے بیٹی، داماد کی آمد کی خوشی میں ایک شاندار جشن منانے کا فیصلہ کیا۔ تو بادشاہ بولا۔ "ملکہ ابھی کچھ دن ٹھہرو۔ ہم ایک مہم اور سر کر آئیں۔" اتنا

بادشاہ اپنے پالتو گھوڑے پر بیٹھا اور اپنے ساتھ بے شمار سپاہی لے کر جنگل کی طرف چل دیا۔

بادشاہ گھوڑے پر سوار آگے آگے جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے ایک بہت بڑا لشکر چلا جا رہا تھا۔ جنگل کے وسط میں پہنچ کر بادشاہ نے سپاہیوں سے کہا۔ ''کاٹ ڈالو اس سونے کے درخت کو۔''

بادشاہ کا اتنا کہنا تھا کہ سپاہیوں نے کلہاڑیاں چلانا شروع کر دیں۔ دفعتاً درخت کے اندر سے ایک زور دار آواز آئی۔ ''خبردار! اگر پھر کسی نے درخت کاٹنے کی کوشش کی تو اس کی جان کی خیر نہیں۔''

سپاہی ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن بادشاہ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے تلوار نکال کر بولا۔ ''اکھاڑ لو جڑ سے اس درخت کو۔ میں دیکھتا ہوں یہ دیو کتنا طاقتور ہے۔ اگر یہ باہر نکلا تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔''

سپاہیوں نے بادشاہ کا حکم پا کر پھر درخت اکھاڑنا شروع کر دیا۔ بادشاہ ننگی تلوار لیے گھوڑے پر بیٹھا تھا کہ اتنے میں چیختا چلاتا ہوا دیو درخت سے باہر نکلا۔ اور ایک طرف بھاگ کر جانے لگا۔ بادشاہ اس کے تعاقب میں گیا۔ دیو بھاگتا ہوا کافی دور ایک بڑے سے درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ گھوڑے پر بیٹھا لمحہ بھر میں وہاں پہنچ گیا۔ دیو نے بادشاہ کو پیچھے سے دبوچا اور اس بڑے درخت کے تنے میں بند کر دیا۔ اس کے بعد اس نے کچھ منتر پڑھے اور اپنے آپ کو بادشاہ کے بھیس میں بدل لیا اور گھوڑے پر بیٹھ کر سونے کے درخت کے پاس پہنچا۔ سپاہی کھڑے بادشاہ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

دیو نے جو بادشاہ کے بھیس میں تھا آ کر سپاہیوں سے کہا۔ ''اکھاڑ ڈالو اس درخت کو۔ میں دیو کو مار آیا ہوں۔'' سپاہیوں نے دیو کو اپنا بادشاہ ہی سمجھا اور اس کا حکم مان کر درخت جڑ سے اکھاڑ دیا۔

سونے کا درخت لے کر سپاہی محل میں واپس آئے۔ ان کے پیچھے پیچھے دیو بھی گھوڑے پر سوار بادشاہ کے بھیس میں محل میں پہنچ گیا۔ سونے کا درخت شاہی باغ میں لگا دیا گیا۔

بادشاہ کے سبھی نوکر اور سپاہی سمجھتے تھے کہ بادشاہ نے دیو کو مار دیا ہے لیکن دیو بادشاہ کے بھیس میں ان کا بادشاہ

بن بیٹھا تھا۔ کسی کو بھی اصل واقعہ کا علم نہیں تھا۔ صرف بادشاہ کا گھوڑا تھا جسے ساری بات کا صحیح طور پر پتہ تھا۔

ملکہ کا اصول تھا کہ جب سب سو جاتے تو وہ رات کو ایک تھالی میں گھاس لے جا کر گھوڑے کو اپنے ہاتھ سے کھلاتی تھی۔ معمول کے مطابق اس رات کو جب ملکہ تھالی میں گھاس رکھ کر گھوڑے کو کھلانے گئی۔ تو اس نے گھوڑے کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر پوچھا۔

''پیارے گھوڑے! کیا بات ہے تم رو کیوں رہے ہو؟''

گھوڑے نے کہا ''ملکہ! محل میں جو بادشاہ بنا بیٹھا ہے وہ اصلی بادشاہ نہیں بلکہ ایک دیو ہے۔ اس نے ہمارے بادشاہ کو اس بڑے درخت میں قید کر دیا ہے اور خود ان کا بھیس بدل کر یہاں آ گیا ہے۔ آپ جلدی سے شہزادے کو ساری بات بتائیں اور اسے لے کر میرے ساتھ چلیں تاکہ بادشاہ کو آزاد کروایا جائے۔''

ملکہ گھوڑے کی باتیں سن کر رونے لگی۔ گھوڑا بولا۔ ''رونے دھونے سے کام نہیں بنے گا۔ جاؤ جلدی سے شہزادے کو لے کر آؤ۔'' ملکہ جلدی سے محل میں گئی اور شہزادے کو لے کر گھوڑے کے پاس آئی۔ دونوں گھوڑے پر بیٹھے۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

دیو بہت چالاک تھا۔ اسے ملکہ اور شہزادے کی روانگی کا پتہ چل گیا۔ وہ فوراً دیو بن کر ہوا میں اڑا اور گھوڑے کا تعاقب کرنے لگا۔ اچانک ملکہ نے گھوڑے کا ایک کان دبایا۔ گھوڑے کے پر نکل آئے اور وہ آسمان پر اڑنے لگا۔ دیو گھوڑے کو اڑتے ہوئے دیکھ کر خود بھی اس کے پیچھے اڑنے لگا۔ تھوڑی دیر میں گھوڑا ایک سمندر پر پہنچا۔ دیو نے ہاتھ بڑھا کر گھوڑے کی دم پکڑ لی۔

گھوڑے نے ملکہ سے کہا۔

''ملکہ! شہزادے سے کہیے کہ وہ میری دم کاٹ دے۔''

ملکہ نے شہزادے سے کہا۔ شہزادے نے فوراً ہی میان سے تلوار نکالی اور گھوڑے کی دم کاٹ دی۔ دم کٹنے کی دیر تھی کہ دیو گھوڑے کی دم کے ساتھ ہی چیختا چلاتا ہوا سمندر میں گرا اور پانی میں ڈوب کر مر گیا۔

اس کے بعد گھوڑا جنگل میں گیا۔ شہزادے نے درخت کاٹ کر بادشاہ کو آزاد کیا۔ بادشاہ ملکہ اور شہزادے کے ساتھ محل میں آیا۔ سارے ملک میں بڑا شاندار جشن منایا گیا اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔